جلد (۳) عدد (۴)

شوال ۱۳۵۲ھ

۷۸۶

ماہ نامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقائق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

قیمت سالانہ (صہ) بیرون ہند کے لئے (سے) قیمت فی پرچہ ۸/

چند نایاب کتابیں اور ان کی قیمتوں میں حیرت انگیز رعایت

تفسیر القرآن مکمل آٹھ جلدوں میں

آجتک اس سے بہتر تفسیر شایع نہیں ہوئی سینکڑوں محبان وطن و معتقد علماء سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ یہ تفسیر نہایت معتبر اور مستند ہے اور اسکی روایات صحیح اور سلف صالحین کے عقیدہ کے موافق ہیں۔ یہ تفسیر اسلام کے عقاید، عبادات و معاملات کے مسائل اور علم تصوف کا بحر ذخار ہے۔ عاشقان کلام الٰہی کے لئے نایاب تحفہ ہے اصلی قیمت (۲۱) رعایتی (۱۵)

تاریخ اسلام مصنفہ رائیٹ آنریبل سید امیر علی بالقابہ

اس حیثیت کی کوئی کتاب آجتک نہیں چھپی گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا اصلی قیمت (سے) رعایتی (عـلـ)

مقدمہ تاریخ ابن خلدون کا ترجمہ اردو

تین جلدوں میں جسے بصرف زر کثیر کارخانہ وطن نے تیار کرایا ہے آجتک کسی شخص کو عبارت کی دقت کی وجہ سے اردو میں ترجمہ کرنے کی جرٔت نہیں ہوئی کل اہم اسلامی علوم و فنون اور واقعات شہادت امام حسین پر مدلل بحث کیگئی ہے اصلی قیمت مکمل مـہ (رعایتی (صـہ)

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب کا اردو ترجمہ خلفائے راشدین کی مستند ترین تاریخ اصلی قیمت (سـے) رعایتی قیمت (صـہ)

سیرۃ الرسول حصہ اول و دوم

اس میں نسب نامہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و قبیلہ قریش کا نسب قبایل قوم عرب کی مختصر تاریخ قیمت ہر دو حصہ اصلی عـا رعایتی عـلـ

انجیل برنباس

اس مقدس انجیل کا ترجمہ ہے جس کو حامیان دین عیسوی نے عہد تاریک میں بالکل نابود کر دیا تھا کیونکہ اس میں حضرت رسول مقبول کے ظہور کی صریح خبر موجود ہے (اصلی قیمت عـا رعایتی عـا

ترجمہ تفسیر کبیر فاتح العلوم

تفسیر سورۃ الحمد مولفہ امام فخر الدین رازی اسے ابتک اردو کا جامہ پہنانے کی کسی صاحب کو ہمت نہ پڑتی تھی کارخانہ وطن نے اس بھاری کمی کو پورا کر دیا اصلی قیمت (سے) رعایتی عـہ

کلید خزاین قرآنی

اس کی مدد سے کسی آیت کا ایک لفظ یا کلمہ یاد ہو تو بلا تامل پوری آیت کا ترجمہ معہ نشان سورت و تعداد آیت مل جاتا ہے مزید بران اس کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں لفظ کتنی مرتبہ اور کس کس سورت میں آیا ہے۔ اصلی قیمت چھ روپیے رعایتی مـہ

ملنے کا پتہ

محصول بذمہ خریدار

منیجر کارخانہ وطن لاہور

فہرست مضامین

اشارات

گذشتہ ماہ دسمبر کی ابتدا میں امریکہ کے قانون تحریم خمر (Prohibition Law) کی تنسیخ کا باقاعدہ اعلان ہو گیا، اور تقریباً چودہ برس کے بعد نئی دنیا کے باشندوں نے پھر "خشکی" سے "تری" کے حدود میں قدم رکھا۔ جمہوریہ امریکہ کی صدارت پر مسٹر روزولٹ کا فائز ہونا خشکی پر تری کی فتح کا پہلا اعلان تھا۔ اس کے بعد اپریل ۱۹۳۳ء میں ایک قانون سے ۳،۲ فی صدی الکحل کی شراب کو جائز کیا گیا اور چند مہینے نہ گذرے تھے کہ دستور جمہوریہ امریکہ کی اٹھارویں ترمیم ہی منسوخ کر دی گئی جس کی رو سے ریاستہائے متحدہ کے حدود میں شراب کی خرید و فروخت درآمد و برآمد اور ساخت و پرداخت حرام قرار دی گئی۔

قانون کے ذریعہ سے اخلاق و معاشرت کی اصلاح کا یہ سب سے بڑا تجربہ تھا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اٹھارویں ترمیم سے پہلے کئی سال تک اینٹی سیلون لیگ (Anti-saloon League) رسائل و جرائد، خطبات، تصاویر، میجک لینٹرن، سینما اور بہت سے دوسرے طریقوں سے شراب کی مضرتیں اہل امریکہ کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ اور اس تبلیغ میں اس نے پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ تحریک کی ابتدا سے ۱۹۲۵ء تک نشر و اشاعت پر ساڑھے چھ کروڑ ڈالر صرف ہوئے، اور شراب کے خلاف جس قدر لٹریچر شائع کیا گیا وہ تقریباً ۹ ارب صفحات پر مشتمل تھا۔

اس کے علاوہ قانون تحریم کی تنفیذ کے مصارف کا جس قدر بار گذشتہ چودہ سال میں امریکی قوم کو برداشت کرنا پڑا ہے اس کی مجموعی مقدار ۰۰۰۰۰۰۰۰ ۶۵ پونڈ بتائی جاتی ہے۔ اور حال میں ممالک متحدہ امریکہ کے محکمۂ عدل نے جنوری سنہ ۱۹۲۰ء سے اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء تک کے جو اعداد و شمار شائع کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون کی تنفیذ کے سلسلہ میں ۲۰۰ آدمی مارے گئے، ۵۳۴۳۳۵ قید کئے گئے ۰۰۰۰۰۰ ۱۶ پونڈ کے جرمانے عائد کئے گئے، اور ۰۰۰۰۰۰ ۴ پونڈ مالیت کی املاک ضبط کی گئیں۔

جان و مال کے یہ ہولناک نقصانات صرف اس لئے برداشت کئے گئے کہ بیسویں صدی کی اس "مہذب ترین" قوم کو جس کا آفتاب علم و دانش نصف النہار پر پہنچا ہوا ہے، ام الخبائث کی بے شمار روحانی، اخلاقی، جسمانی، اور مالی مضرتوں سے آگاہ کیا جائے اور محفوظ رکھا جائے۔ لیکن تحریم سے پہلے کئی سال اور تحریم کے بعد کئی سال کی مسلسل کوششیں جن میں حکومت امریکہ کی طاقت بھی شریک تھی، امریکی قوم کے عزم مے خواری کے آگے ناکام ہو گئیں۔ اور تاریخ عالم کا سب سے بڑا اصلاحی مجاہدہ آخر کار بے سود ثابت ہوا۔

تحریم خمر کی یہ ناکامی اور قانون تحریم کی یہ تنسیخ کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ شراب کی جو مضرتیں اس قانون کے وضع کرنے اور دستور جمہوریہ میں اٹھارویں ترمیم کے منظور کرنے کی باعث ہوئی تھیں وہ اب منفعتوں سے بدل گئی ہیں، یا کسی نئے علمی اکتشاف نے ان خیالات کو غلط ثابت کر دیا ہے جو پہلے قائم کئے گئے تھے۔ برعکس اس کے آج پہلے سے بھی زیادہ وسیع و کثیر تجربات کی بنا پر یہ حقیقت تسلیم کی جاتی ہے کہ قحبہ گری، زنا، لواطت، چوری، قمار بازی، قتل و خون اور ایسے ہی دوسرے اخلاقی مفاسد اس ام الخبائث کے قریب ترین رشتہ دار ہیں، اور مغربی اقوام کے اخلاق، صحت، معیشت اور معاشرت کی تباہی میں

اس کا بڑا حصہ ہے لیکن اس کے باوجود جس چیز نے آج حکومت امریکہ کو اپنا قانون واپس لینے اور حرام کو حلال کردینے پر مجبور کر دیا وہ صرف یہ ہے کہ امت امریکہ کی عظیم اکثریت کسی طرح شراب چھوڑنے پر راضی نہ ہوئی، اور وہی سلطنت جس کے دوشنے اب سے چودہ برس پہلے یہ چیز حرام کی تھی، اب اس کو حلال کرنے پر اصرار کرنے لگی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے مے خواری کے نقصانات سے کسی بڑے سے بڑے حامی شراب نے بھی کبھی انکار نہیں کیا اور نہ کبھی مخالفین تحریم نے شراب کے محاسن کی کوئی ایسی فہرست پیش کی جو ان قبائح کے مقابلہ میں کچھ بھی وزن رکھتی ہو۔ جس وقت امریکن کانگریس کے سامنے رائے عام کی تائید سے اٹھارویں ترمیم پیش ہوئی تھی، اس وقت "خشکی" اور "تری" کے درمیان پوری طرح موازنہ کر لیا گیا تھا، اور انہی تمام مضرتوں اور خرابیوں کا لحاظ کرتے ہوئے کانگریس نے وہ ترمیم منظور کی تھی، ۴۶ ریاستوں نے اس ترمیم کی توثیق کی تھی، دارالمبعوثین (House of Representatives) اور مجلس شیوخ (Senate) نے اس ترمیم کے مطابق قانون تحریم (Volstead Act) پاس کیا تھا۔ یہ سب کچھ امریکی قوم کی مرضی سے ہوا، اور جب تک تحریم کا معاملہ کاغذ اور زبان تک رہا، قوم خوش خوش اس کی تائید کرتی رہی۔ مگر جونہی کہ یہ تحریم عالم معاملہ میں آئی، تمام امت امریکہ کا رنگ بدل گیا۔ ام الخبائث کے ہجر میں پہلی رات بسر کرتے ہی دنیا کی سب سے زیادہ متمدن، ذی علم، ذی ہوش، حقائق پسند اور ترقی یافتہ قوم دیوانی ہوگئی، اور اس نے جوش جنون میں وہ حرکتیں شروع کر دیں جن سے شبہ ہوتا تھا کہ یہ قوم شرقی شاعری کے خیالی عاشقوں کی طرح فی الواقع اپنا سر پھوڑ ڈالے گی۔

اجازت یافتہ شراب خانوں کے بند ہوتے ہی تمام ملک میں لکھوکھا خفیہ شراب خانے (Speak easies and 'Blind pigs) قائم ہوگئے، جن میں قانون کی گرفت سے بچ کر شراب پینے پلانے بیچنے اور خریدنے کے عجیب عجیب طریقے اختیار کئے جاتے تھے۔ کسی شخص کا اپنے کسی دوست یا عزیز کو

کسی خفیہ شراب خانے اور اس کے مقررہ اشارے (Password) کا پتا بتا دینا ایک خاص مہربانی کا فعل سمجھا جاتا تھا۔ پہلے حکومت ان شراب خانوں کی تعداد، ان کی شرابوں کی نوعیت اور ان میں آنے جانے والوں کے حالات کی نگرانی کر سکتی تھی، مگر اب وہ اس کی نگرانی کے حدود سے آزاد تھے۔ اس لئے ان کی تعداد قبل تحریم کے اجازت یافتہ شراب خانوں سے کئی گنی زیادہ ہوگئی۔ ان میں ہر قسم کی بدترین شرابیں فروخت ہونے لگیں جو صحت کے لئے غایت درجہ مضر تھیں، اور ان میں کمسن لڑکوں اور لڑکیوں کی آمد و رفت بہت بڑھ گئی جس کے ہولناک نتائج سے ریاستہائے متحدہ کے اہل فکر میں عام اضطراب برپا ہوگیا۔

اٹھارویں ترمیم کی برکت سے امریکہ میں شراب کی قیمت پہلے سے کئی گنی زیادہ ہوگئی۔ اس طرح مے فروشی کا پیشہ ایک بڑا پرمنفعت پیشہ بن گیا، اور ہزاروں لاکھوں آدمی یہی کاروبار کرنے لگے۔ خفیہ مے خانوں کے علاوہ بکثرت پھیری لگانے والے مے فروش (Boot legger) پیدا ہوگئے جو گویا پھرتے چلتے مے خانے تھے۔ یہ لوگ مدرسوں، دفتروں، ہوٹلوں، تفریح گاہوں حتیٰ کہ لوگوں کے گھروں تک پہنچکر شراب بیچنے اور نئے نئے گاہک پیدا کرنے لگے۔ کم سے کم اندازہ یہ ہے کہ زمانہ قبل تحریم کی بہ نسبت بعد تحریم کے زمانہ میں امریکہ کے مے فروشوں کی تعداد دس گنی زیادہ ہوگئی تھی۔

شہروں سے گذر کر دیہات تک میں یہ کاروبار پھیل گیا تھا۔ اور گاؤں گاؤں شراب کشید کرنے کے خفیہ کارخانے قائم ہوگئے تھے۔ تحریم سے پہلے امریکہ میں عرق کشی کے اجازت یافتہ کارخانوں کی تعداد کل چار سو تھی۔ تحریم کے بعد سات سال کے اندر ۷۹۴۳۷ کارخانے گرفتار ہوئے۔ ۹۳۸۳۱ بھٹیاں پکڑی گئیں، پھر بھی شراب فروشی کے کاروبار میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ محکمہ تحریم کے ایک سابق کمشنر کا اندازہ ہے کہ "ہم کل کارخانوں اور بھٹیوں کا صرف دسواں حصہ پکڑ سکے"۔

اس طرح شراب کی مقدار میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ تحریم کے زمانے میں امریکہ کے باشندے

ہر سال ۲۰ کروڑ گیلن شراب پی جاتے تھے یہ مقدارِ استعمال قبل تحریم کی مقدار سے بہت زیادہ ہے۔

پھر جو شراب اس قدر کثیر مقدار میں استعمال کی جاتی تھی وہ حد درجہ خراب اور مضر صحت تھی۔ اطبا کا بیان ہے کہ "اس چیز کو شراب کے بجائے زہر کہنا زیادہ صحیح ہے۔ اس کے حلق سے اترتے ہی معدے اور دماغ پر اس کے زہریلے اثرات مترتب ہونے شروع ہو جاتے ہیں، اور دو دن تک اعصاب اس سے متاثر رہتے ہیں۔ اس کے نشے میں انسان کسی خوش باشی اور خوش فعلی کے مطلب کا نہیں رہتا، بلکہ اس کی طبیعت عربدہ ہنگامہ آرائی اور ارتکاب جرم کی جانب مائل ہو جاتی ہے"۔

اس قسم کی شرابوں کی کثرت استعمال نے اہل امریکہ کی جسمانی صحت کو تباہ کر ڈالا۔ مثال کے طور پر شہر نیویارک کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریم سے پہلے ۱۹۱۸ء میں جہان الکحل کے اثر سے بیمار ہونے والوں کی تعداد (۳۷۴۱) اور مرنے والوں کی تعداد (۲۵۲) تھی، وہاں ۱۹۲۶ء میں بیمار ہونے والوں کی تعداد گیارہ ہزار اور مرنے والوں کی تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچ گئی۔ ان کے علاوہ جو لوگ بالواسطہ شراب کے اثرات سے متاثر ہو کر ہلاک یا زندہ درگور ہوئے۔ ان کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح جرائم خصوصاً بچوں اور نوجوانوں کے جرائم میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا۔ امریکہ کے ججوں کا بیان ہے کہ ہمارے ملک کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ کبھی اتنی کثیر تعداد میں بچے بحالت نشہ گرفتار ہوئے ہوں"۔ جب کم سنی کے جرائم حد سے بڑھ گئے تو اس کی تحقیقات کی گئی اور ثابت ہوا کہ سنہ ۱۹۲۰ء سے نوجوانوں کی مے خواری اور عربدہ جوئی میں سال بسال زیادتی ہوتی جا رہی ہے، حتیٰ کہ بعض شہروں میں ۸ سال کے اندر دو سو فی صدی اضافہ ہوا ہے۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں امریکہ کی (National crime council) کے ڈائرکٹر کرنل موس (Moss.) نے بیان کیا کہ اس وقت

امریکہ کے ہر تین سو آدمیوں میں سے ایک آدمی جرائم پیشہ ہے۔ اور ہمارے ہاں قتل کے جرائم میں ساڑھے تین سو فی صدی اضافہ ہوا ہے۔

غرض چودہ سال کے اندر امریکہ میں تحریم خمر کے جو نتائج ظاہر ہوئے ان کا خلاصہ یہ ہے:۔

قانون کا احترام دلوں سے اٹھ گیا اور سوسائٹی کے ہر طبقے میں خلاف ورزی قانون کی بیماری پھیل گئی۔

تحریم خمر کا اصل مقصد بھی حاصل نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس یہ چیز حرام ہونے کے بعد اس سے بھی زیادہ پی جانے لگی جتنی حلال ہونے کے زمانہ میں پی جاتی تھی۔

قانون تحریم کی تنفیذ میں حکومت کا اور خفیہ طریقہ سے شراب خریدنے میں رعایا کا بے حساب مالی نقصان ہوا۔ اور اس کے معاشی حالات تباہ ہوگئے۔

اس پر مزید امراض کی کثرت، صحت کی بربادی، شرح اموات میں اضافہ، اخلاق عامہ کا فساد، سوسائٹی کے تمام طبقات، خصوصاً نوخیز نسلوں میں فواحش اور قبائح کا بکثرت شائع ہونا، اور جرائم میں غیر معمولی ترقی۔

یہ نتائج اس ملک میں حاصل ہوئے جو بیسویں صدی کے روشن ترین زمانہ میں مہذب ترین ملک سمجھا جاتا ہے جس کے باشندے اعلیٰ درجہ کے تعلیمیافتہ ہیں، جن کے دماغ علم وحکمت کی روشنی سے منور ہیں، جو اپنے نفع ونقصان کو سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہ نتائج اس حالت میں ظاہر ہوئے جبکہ کروڑہا روپیہ صرف کرکے اور کئی ارب رسالے اور کتابیں شائع کرکے تمام قوم کو شراب کے نقصانات سے آگاہ کردیا گیا تھا۔

یہ نتائج اس کے باوجود ظاہر ہوئے کہ امریکی قوم کی ایک بڑی اکثریت تحریم کی ضرورت کو تسلیم کر چکی تھی، اور تحریم کا قانون اس کی مرضی سے پیش اور پاس ہوا تھا۔

پھر ان نتائج کا ظہور ایسی حالت میں ہوا جبکہ امریکہ کی عظیم الشان سلطنت بیسویں صدی کی بہترین تنظیم کے ساتھ کامل چودہ سال تک شراب نوشی اور شراب فروشی کا قلع قمع کرنے پر تلی رہی۔

جب تک یہ نتائج ظاہر نہ ہوئے تھے، حکومت اور رعیت دونوں کی اکثریت شراب کو حرام قرار دینے پر متفق تھی اس لئے شراب حرام ہو گئی۔ مگر جب معلوم ہوا کہ قوم کسی طرح شراب چھوڑنے پر راضی نہیں ہے، اور زبردستی شراب چھڑانے کا نتیجہ پہلے سے بھی خراب نکلا ہے، تو اسی حکومت اور رعیت کی اکثریت نے شراب کو حلال کر دینے پر اتفاق کر لیا۔

اب ذرا ایک نظر اس ملک کی حالت پر ڈالئے جو اب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے تاریک ترین زمانے میں سب سے زیادہ تاریک ملک شمار ہوتا تھا، باشندے جاہل، علم و حکمت کا نام و نشان نہیں، تمدن و تہذیب کا پتہ نہیں، پڑھے لکھوں کا شمار انگلیوں پر ہو، اور وہ بھی ایسے کہ آج کل کے کم سواد بھی ان سے زیادہ علم رکھتے ہوں گے، موجودہ زمانے کے تنظیمی ادارات اور وسائل کیسر مفقود، حکومت کا نظام بالکل ابتدائی حالت میں، اور اس کو بھی قائم ہوئے چند سال سے زیادہ نہ ہوئے تھے باشندوں کا حال یہ کہ شراب کے عاشق ان کی زبان میں شراب کے تقریباً ڈھائی سو نام پائے جاتے ہیں جس کی مثال شاید دنیا کی کسی زبان میں نہ ملے گی۔ یہ شراب کے ساتھ ان کے غیر معمولی شغف کا ثبوت ہے۔ اور اس کا مزید ثبوت ان کی شاعری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور لازمۂ حیات سمجھی جاتی تھی۔

اس حالت میں وہاں شراب کا مسئلہ پیش ہوتا ہے، اور رسول خدا ......

پوچھا جاتا ہے کہ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ خدا کا ارشاد ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا	تجھ سے شراب اور جوے کے بارے میں سوال کرتے ہیں
اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ	ان سے کہدے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں
مِنْ نَّفْعِهِمَا - (۲ : ۲۷)	کے لئے فائدے بھی ہیں۔ مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ ہے

یہ کوئی حکم نہ تھا۔ بلکہ محض شراب کی حقیقت بتائی گئی تھی کہ اس میں اچھائی اور برائی دونوں موجود ہیں۔ مگر برائی کا پہلو غالب ہے۔ اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ قوم کے ایک گروہ نے اسی وقت سے مے خواری چھوڑ دی۔ تاہم اکثریت بدستور شراب کی خوگر رہی۔

پھر دوبارہ شراب کے بارے میں حکم پوچھا گیا۔ کیونکہ بعض لوگ نشے کی حالت میں نماز پڑھنے اور غلطیاں کر جاتے تھے۔ اس پر رسول خدا نے اپنے خدا کی طرف سے یہ حکم سنایا۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ	اے ایمان لانے والو! نشے کی حالت میں نماز
وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ	کے قریب نہ جاؤ (نماز تم کو اس حالت میں پڑھنی چاہیے
(۴ : ۴)	جبکہ) تم جان سکو کہ کیا کہہ رہے ہو۔

یہ حکم سنتے ہی لوگوں نے مے خواری کے لئے اوقات مقرر کر لئے اور عموماً فجر اور ظہر کے درمیان یا عشا کے بعد شراب پی جانے لگی تا کہ نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کی نوبت نہ آئے یا نشے کی وجہ سے نماز نہ ترک کرنی پڑے۔

مگر شراب کی اصلی مضرت ابھی باقی تھی۔ نشے کی حالت میں لوگ فساد برپا کرتے تھے اور خون خرابے تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ اس لئے پھر خواہش کی گئی کہ شراب کے بارے میں صاف اور قطعی حکم

بتا یا جائے۔ اس پر ارشاد ہوا۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۵: ۱۲)	اے ایمان لانے والو! شراب اور جوا اور بُت اور پانسے، یہ سب شیطان کی ساختہ و پرداختہ گندگی ہیں۔ لہٰذا تم اس گندگی سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ اس پرہیز سے تم کو فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تم کو خدا کی یاد اور نماز سے روک دے۔ تو کیا یہ معلوم ہوجانے کے بعد اب تم باز آؤ گے؟ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی بات مانو اور باز آجاؤ۔ اگر تم نے سرتابی کی تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کا کام صرف اتنا ہے کہ پیغام کو صاف صاف پہنچا دے۔

یہ حکم آنا تھا کہ وہی شراب کے رسیا اور دختِ رز کے عاشق جو اس چیز کے نام پر جان دیتے تھے یک لخت اس سے نفور ہوگئے۔ تحریم شراب کی منادی سنتے ہی شراب کے مٹکے توڑ دیے گئے، مدینے کی گلیوں میں شراب کے نالے بہ گئے۔ ایک محفل میں مے نوشی ہورہی تھی اور دس گیارہ اصحاب شراب کے نشے میں چور تھے۔ اتنے میں رسول اللہ کے منادی کی آواز ان کے کانوں میں پہنچی اور اسی نشے کی حالت میں حکم خدا کا یہ احترام کیا گیا کہ فوراً شراب کا دور رک گیا اور مٹکے توڑ ڈالے گئے۔ ایک اور شخص کا واقعہ ہے کہ وہ شراب پی رہا تھا، منہ سے پیالہ لگا ہوا تھا۔ کسی نے آکر تحریم خمر کی آیت پڑھی۔ فوراً پیالہ اس کے لبوں سے الگ ہوگیا۔ اور پھر ایک

قطرہ بھی حلق کے نیچے نہ اترا۔ اس کے بعد جس کسی نے شراب پی اس کو جوتوں لکڑیوں، لات مکوں سے پیٹا گیا، پھر چالیس کوڑوں کی سزا دی گئی، پھر اس جرم کے لئے ۸۰ کوڑوں کی سزا مقرر کردی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عرب سے مےخواری کا نام و نشان مٹ گیا اِلَّا مَا شَآءَ اللہ۔ اور پھر اسلام جہاں جہاں پہنچا، اس نے قوموں کو آپ سے آپ "خشک" اور "پرہیزگار" بنا دیا حتیٰ کہ آج بھی جبکہ اسلام کا اثر بہت ضعیف ہوچکا ہے دنیا میں کروروں انسان ایسے بستے ہیں جو کسی "قانون تحریم"، اور کسی نظام تعزیری کے بغیر شراب سے کلی اجتناب کرتے ہیں۔ مسلمان قوم میں اگر مردم شماری کر کے دیکھا جائے کہ مےخواروں کی تعداد کا فی صدی اوسط کیا ہے تو شاید یہ قوم اب بھی دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ پرہیزگار پائی جائے گی۔ پھر اس میں جو لوگ شراب پیتے بھی ہیں، وہ بھی اس کو گناہ سمجھتے ہیں، دل میں اپنے فعل پر نادم ہوتے ہیں، اور بسا اوقات خود بخود تائب ہوجاتے ہیں۔

عقل و حکمت کی مملکت میں آخری فیصلہ تجربہ و مشاہدہ پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ شہادت کبھی جھٹلائی نہیں جاسکتی۔ اب آپ کے سامنے ایک تجربہ امریکہ کا ہے اور دوسرا تجربہ اسلام کا۔ دونوں کا فرق بالکل ظاہر ہے، اور یہ آپ کا کام ہے کہ ان کا تقابل کر کے اس سے سبق حاصل کریں۔

امریکہ میں برسوں تک شراب کے خلاف تبلیغ کی گئی۔ کروروں روپیہ اس کی مضرتوں کے اعلان و اشتہار پر صرف کیا گیا۔ فن طب سے، اعداد و شمار کی شہادتوں سے، عقلی استدلالات سے اس کے جسمانی، اخلاقی، معاشی نقصانات اس طرح ثابت کئے گئے کہ ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تصویروں کے ذریعہ سے شراب کی مضرتیں برائی العین مشاہدہ کرادی گئیں اور پوری کوشش کی گئی کہ لوگ خود اس کی خرابیوں کے قائل ہوکر اس کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہوجائیں۔ پھر قوم کی سب سے بڑی نمائندہ جماعت (کانگریس) نے اکثریت کے ساتھ اس کی تحریم کا فیصلہ کیا، اور اس کے لئے قانون پاس

کیا گیا۔ پھر حکومت نے (اور اس حکومت نے جو اس وقت دنیا کی عظیم ترین طاقتوں میں سے ہے) اس کی خرید و فروخت، ساخت و پرداخت، درآمد و برآمد کو روکنے کے لئے اپنی ساری قوتیں صرف کر ڈالیں، مگر قوم (اور وہ قوم جو اس وقت تعلیم یافتہ اور روشن خیال قوموں کی صف اول میں ہے) اس کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئی! اور جب قوم آمادہ نہ ہوئی تو چودہ پندرہ برس کی قلیل مدت ہی میں قانون حرام کو پھر حلال کر دینے پر مجبور ہو گیا۔

دوسری طرف اسلام میں شراب کے خلاف کوئی پروپگنڈا نہیں کیا گیا۔ نشر و اشاعت پر ایک پیسہ بھی صرف نہ ہوا۔ کوئی انٹی سیلون لیگ قائم نہیں کی گئی۔ اللہ کے رسولؐ نے بس اتنا کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے شراب حرام کر دی ہے، اور جونہی کہ یہ حکم اس زبان سے نکلا، تمام قوم (اور وہ قوم جو شراب کے عشق میں اہل امریکہ سے بڑھ کر تھی مگر اصطلاحی علم و دانش میں ان سے کوئی نسبت نہ رکھتی تھی) شراب سے باز آگئی، اور ایسی باز آئی کہ جب تک وہ اسلام کے دائرے میں ہے اس کا "خشکی" سے "تری" کی جانب تجاوز کرنا ممکن نہیں ہے۔ "خشکی" کے حصار میں بند رہنے کے لئے وہ کسی حاکمانہ قوت، کسی احتساب، اور کسی نظام تعزیری کے محتاج نہیں ہیں۔ اگر کوئی قوت جابرہ موجود نہ ہو تب بھی اس سے باز رہیں گے، پھر یہ تحریم ایسی تحریم نہیں ہے جس کو کسی طرح تحلیل سے بدلا جا سکتا ہو۔ اگر تمام عالم کے مسلمان بالاتفاق شراب کی تائید میں ووٹ دے دیں، تب بھی یہ حرام کبھی حلال نہیں ہو سکتا۔

آپ اس عظیم الشان تفاوت کے اسباب پر غور کریں گے، تو اس سے چند ایسی باتیں معلوم ہوں گی جو نہ صرف شراب کے معاملہ میں، بلکہ قانون و اخلاق کے تمام مسائل میں اصول کلیہ کا حکم رکھتی ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ شئون حیات انسانی کی تنظیم میں اسلام اور دنیوی قوانین کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے۔ دنیوی قوانین کا انحصار سراسر انسانی رائے پر ہے اس لئے وہ نہ صرف اپنے کلیات

بلکہ ہر ہر جزئیہ میں عوام یا خواص کی رائے کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہیں۔ اور انسانی رائے کا (خواہ وہ عوام کی ہو یا خواص کی) حال یہ ہے کہ وہ ہر آن انسانی میلان و عواطف خارجی اسباب و عوامل اور علم و عقل کے تغیر پذیر احکام سے (جو ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ صحیح ہوں) متاثر ہوتی رہتی ہے۔ ان تاثرات سے آرا و افکار میں تغیر واقع ہوتا ہے، اس تغیر سے لازمی طور پر اچھے اور برے صحیح اور غلط جائز اور ناجائز حرام اور حلال کے معیارات بدلتے رہتے ہیں، اور ان کے بدلنے کے ساتھ ہی قانون کو بھی بدل جانا پڑتا ہے۔ اس طرح اخلاق اور تہذیب کا کوئی پائدار مستقل، ناقابل تغیر معیار قائم ہی نہیں ہونے پاتا۔ انسان کا تلون قانون پر حکمرانی کرتا ہے، اور قانون کا تلون انسانی زندگی پر۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نو مشق آدمی موٹر چلا رہا ہو۔ اور اس کے ناآزمودہ کار ہاتھ بے قاعدگی کے ساتھ اسٹیرنگ کو کبھی ادھر اور کبھی ادھر گھما رہے ہوں۔ اس کی ان بے قاعدہ گردشوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ موٹر کی حرکت بھی بے قاعدہ اور غیر مستقیم ہوگی۔ وہ استقلال کے ساتھ کسی ایک متعین راستہ پر نہ چل سکیگی، اور جب وہ آڑی ترچھی رفتار سے چلیگی تو خود چلانے والے حضرت ہی پر اس کا اثر پڑیگا۔ کبھی وہ سیدھے راستہ پر ہوں گے اور کبھی ٹیڑھے راستہ پر، کہیں کسی گڑھے میں جا گریں گے، کہیں کسی دیوار سے ٹکرائیں گے۔ اور کہیں نشیب و فراز کے دھکے کھائیں گے۔

بخلاف اس کے اسلام میں قانون و اخلاق کے کلیات تمام تر، اور جزئیات بیش تر خدا اور رسولؐ کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ انسانی رائے کو ان میں ذرہ برابر دخل نہیں ہے، اور جزئیات میں کسی حد تک دخل ہے بھی تو وہ صرف اس قدر ہے کہ زندگی کے تغیر پذیر حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ہم ان کلی احکام اور جزئی نظائر سے حسب موقع نئے جزئیات مستنبط کرتے رہیں، جن کو لازماً اصولِ شرع کے مطابق ہونا چاہئے۔ اس الٰہی وضع قانون کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اخلاق اور تہذیب کا ایک مستقل اور غیر تغیر پذیر معیار موجود ہے۔ ہمارے اخلاقی و مدنی قوانین میں تلون کا نام و نشان تک نہیں ہے

ہمارے ہاں کل کا حرام آج حلال اور کل پھر حرام نہیں ہو سکتا۔ یہاں تو جو حرام کر دیا گیا وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے، اور جو حلال کر دیا گیا وہ قیامت تک حلال ہے۔ ہم نے اپنی موٹر کا اسٹیرنگ ایک ماہر کامل کے ہاتھ میں دیدیا ہے۔ اب ہم مطمئن ہیں کہ وہ موٹر کو اور ہم کو سیدھے رستے پر چلائے گا۔ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ (۱۴: ۴)

اس میں ایک دوسرا اہم نکتہ بھی ہے۔ دنیوی طاقتیں انسانی زندگی کے لئے ضوابط بنانے اور اخلاق، معاشرت اور تمدن کی اصلاح کرنے کے لئے ہمیشہ اس کی محتاج رہتی ہیں کہ ہر جزئی معاملہ میں پہلے عوام کو اصلاح کے لئے راضی کریں، پھر عمل کی جانب قدم بڑھائیں۔ ان کے قوانین کی ہر دفعہ اپنے نفاذ کے لئے عامہ خلائق کی رضا پر منحصر ہوا کرتی ہے اور جس اصلاحی یا تنظیمی قانون کا نفاذ عوام کی رضا کے خلاف کر دیا گیا ہو اسے بعد از خرابیہائے بسیار منسوخ کرنا پڑتا ہے۔ یہ نہ صرف امریکہ کا تجربہ ہے بلکہ تمام دنیا کے تجربات اس پر شہادت دے رہے ہیں اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیوی قوانین درحقیقت اصلاح اخلاق و معاشرت کے معاملہ میں قطعاً ناکارہ ہیں۔ کیونکہ جن بگڑے ہوئے لوگوں کی وہ اصلاح کرنا چاہتے ہیں انہی کی رضا پر جو لامحالہ اس بگڑی ہوئی ذہنیت ہی کے زیر اثر ہے ان کا نفاذ منحصر ہے۔

اسلام نے اس اشکال کو ایک دوسرے طریقہ سے حل کیا ہے، اور آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اس مشکل کا کوئی حل بجز اس کے نہیں ہے۔ وہ تمدن، معاشرت اور اخلاق کے مسائل کو چھیڑنے، اور قوانین شریعت کی اطاعت کا مطالبہ کرنے سے پہلے انسان کو دعوت دیتا ہے کہ خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان لے آئے۔ یہ بات یقیناً انسان کی رضا پر منحصر ہے کہ وہ ایمان لائے یا نہ لائے مگر جب وہ

ایمان لے آیا تو اس کی رضا و عدم رضا کا کوئی سوال باقی نہ رہا۔ اب خدا کی طرف سے اس کا رسول جو حکم بھی دے، اور خدا کی کتاب جو قانون بھی مقرر کرے وہ اس کے لئے واجب الاطاعت ہے اس ایک اصل الاصول کے قائم ہو جانے کے بعد شریعت اسلامی کے تمام قوانین اس پر نافذ ہو جائیں گے اور کسی جزئی یا کلی مسئلہ میں اس کی رضامندی یا نارضامندی کا دخل نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں جو کام کروڑوں بلکہ اربوں روپے کے صرف اور بے نظیر تبلیغ و اشاعت اور حکومت کی زبردست کوششوں کے باوجود نہ ہو سکا وہ عالم اسلامی میں خدا کی جانب سے رسولِ خدا کی صرف ایک منادی سے ہو گیا

تیسری سبق آموز بات یہ ہے کہ کوئی انسانی جماعت خواہ کتنی ہی علوم و فنون کی روشنی سے بہرہ ور ہو، اور خواہ عقلی ترقیات کے آسمان ہی پر کیوں نہ پہنچ جائے، اگر وہ آلٰہی قوانین کی تابع فرمان نہ ہو اور ایمان کی قوت نہ رکھتی ہو، تو کبھی ہوائے نفس کے چنگل سے نہیں نکل سکتی اس پر خواہشات نفسانی کا غلبہ اتنا شدید رہے گا۔ کہ جس چیز پر اس کا نفس مائل ہوگا، اس کی مضرتیں اگر آفتاب سے بھی زیادہ روشن کر کے دکھادی جائیں، اگر اس کے خلاف سائنس (یعنی پرستاران عقل کے معبود) کو بھی گواہ بنا کر لا کھڑا کیا جائے۔ اگر اس کے مقابلہ میں اعداد و شمار کی بھی شہادت پیش کردی جائے (جو ارباب حکمت کی نگاہ میں ہرگز جھوٹی نہیں ہو سکتی)، اگر اس کی خرابیاں تجربہ و مشاہدہ سے بھی ثابت کر دی جائیں، تب بھی وہ کبھی اپنے نفس کے معشوق کو نہ چھوڑے گی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں حاسۂ اخلاقی پیدا کرنا اور اس کے ضمیر کی نہ صرف تشکیل کرنا، بلکہ اس میں اتنی طاقت بھر دینا کہ وہ نفس پر غالب آجائے نہ علم و حکمت کے بس کی بات ہے۔ اور نہ عقل و خرد کی۔ یہ کام بجز ایمان کے اور کسی چیز کے ذریعہ سے انجام نہیں پا سکتا۔

اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

(۴)

ایمان

شعبان کے رسالہ میں سلسلۂ کلام اس حد تک پہنچا تھا کہ اسلام کی اصطلاح میں ایمان سے مراد اللہ، ملائکہ، کتب، رسل اور یوم آخر پر ایمان لانا ہے اور یہی پانچ ایمانیات مل کر ایک ناقابل تجزیہ کل بناتے ہیں، یعنے ان کے درمیان ایسا ربط ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک جز کا بھی انکار کیا جائے تو اس سے کل کا انکار لازم آتا ہے۔ پھر عقلی تنقید کرکے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ اسلام جس قسم کی تہذیب قائم کرنا چاہتا ہے اس کے لئے صرف یہی امور ایمانیات بن سکتے ہیں۔ اور انہی ایمانیات کی اس کو ضرورت ہے نیز یہ کہ ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو عقلی و علمی ترقی کے ساتھ نہ دے سکتی ہو۔

اب ہمیں تیسرے سوال کی طرف توجہ کرنی چاہئے، اور وہ یہ ہے کہ اسلام میں ایمان کی کیا حیثیت ہے؟ اور یہ حیثیت کیوں ہے؟ اس مسئلہ کو سمجھنے میں لوگوں نے بکثرت غلطیاں کی ہیں، اور بعض مشہور اہل علم و فضل اصحاب بھی اس میں ٹھوکر کھا گئے ہیں۔ اس لئے اس کو ذرا بسط کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔

اسلام میں ایمان کی اہمیت اگر سوال کیا جائے کہ قرآن مجید کی دعوت کا اصل الاصول کیا ہے تو اس کا جواب صرف ایک لفظ میں دیا جا سکتا ہے، اور وہ "ایمان" ہے۔ قرآن کے نزول اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد ہی ایمان کی طرف دعوت دینا ہے۔ قرآن اپنے لانے والے کے متعلق صاف کہتا ہے کہ وہ ایمان کا منادی ہے۔ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ (۳ : ۲۰) اور خود اپنے متعلق اعلان کرتا ہے کہ وہ صرف ان لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھائے گا جو غیب کی باتوں (یعنی انہی

ایمانیات) پر یقین لانے کے لئے طیار ہوں۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (۲:۱)
وہ وعظ سے تلقین سے، وعد و وعید سے، بحث و استدلال سے، قصص وحکایات سے اسی کی طرف دعوت
دیتا ہے۔ انسان سے اس کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ایمان لائے اس کے بعد وہ تزکیہ نفس، اصلاح اخلاق
اور وضع قوانین مدنی کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ اس کے نزدیک ایمان ہی حق، صدق، علم، ہدیٰ اور
نور ہے۔ اور عدم ایمان یعنی کفر کو وہ جہل، ظلم، باطل، کذب، ظلمت، اور ضلالت، قرار دیتا ہے۔

قرآن حکیم نے ایک واضح خط فاصل کھینچ کر تمام دنیا کے انسانوں کو دو گروہوں پر تقسیم کر دیا ہے
ایک گروہ ایمان لانے والوں کا، اور دوسرا گروہ انکار کرنے والوں کا۔ پہلا گروہ اس کے نزدیک حق
پر ہے علم اور نور سے بہرہ ور ہے، اس کے لئے ہدایت کا راستہ اور تقویٰ و پرہیزگاری کا دروازہ
کھل گیا ہے، اور وہی فلاح پانے والا ہے۔ دوسرا گروہ اس کے نزدیک کافر ہے، ظالم ہے، جاہل ہے،
تاریکی میں پھنسا ہوا ہے، ہدایت کی راہیں اس کے لئے بند ہیں تقویٰ اور پرہیزگاری میں اس کا
کوئی حصہ نہیں، اور اس پر خسران و نامرادی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہ ان دونوں طبقوں کی مثال
اس طرح دیتا ہے، کہ ان میں سے ایک اندھا اور بہرا ہے، اور دوسرا دیکھنے اور سننے والا۔ مَثَلُ
الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ (۱۱:۲) وہ کہتا ہے کہ ایمان کا راستہ ہی
صراط مستقیم ہے۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۴۲:۵) اور اس کے سوا جتنے راستے
ہیں سب کا چھوڑ دینا ضروری ہے وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا
السُّبُلَ (۶:۹) اس نے بلا کسی لاگ لپیٹ کے صاف صاف کہدیا ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب
کو مانتا ہے اس کے پاس ایک روشن چراغ ہے جس کی مدد سے وہ سیدھے رستے پر چل سکتا ہے اس چراغ کی موجودگی
میں اس کے لئے بھٹک جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہے وہ راہ راست کو ٹیڑھے راستوں سے ممتاز کر کے دیکھ لے گا اور بخیر و عافیت
فلاح کی منزل مقصود تک پہنچ جائیگا۔ اور جو ایمان کی شمع نہیں رکھتا اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہے اس کے لئے سیدھے

اور تیڑھے راستوں کا فرق معلوم کرنا مشکل ہے۔ وہ اندھوں کی طرح اندھیرے میں اٹکل سے ٹٹول ٹٹول کر چلیگا، ممکن ہے کہ اتفاقاً اس کا کوئی قدم سیدھے راستہ پر بھی پڑ جائے۔ مگر یہ راہ راست پر چلنے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں ہے۔ غالب امکان اسی کا ہے کہ راہ راست سے ہٹ جائے گا، کہیں خندق میں گرے گا۔ اور کہیں کانٹوں میں جا پھنسے گا۔ پہلے گروہ کے متعلق اس کا قول ہے کہ۔

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۷: ۱۹)

پس جو لوگ رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی مدد و حمایت کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے وہی دراصل فلاح پانے والے ہیں

اور :-

اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَیَغْفِرْ لَكُمْ (۵۷: ۴)

لوگو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (اگر تم ایسا کروگے تو) اللہ تم کو اپنی رحمت سے دو حصہ دیگا اور تمہارے لیے ایسی روشنی کر دیگا جس میں تم چلوگے اور تم کو بخش دیگا۔

اور دوسرے گروہ کے متعلق کہتا ہے :-

وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ (۱۰: ۷)

جو لوگ خدا کے سوا دوسرے شرکاء کو پکارتے ہیں جانتے ہو وہ کس کی پیروی کرتے ہیں؟ وہ صرف گمان کی پیروی کرتے اور محض اٹکل پر چلتے ہیں۔

اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (۵۳: ۲)

وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور گمان کا حال یہ ہے کہ وہ حق کی ہدایت سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ

اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جس نے اللہ کی ہدایت کے بغیر

هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۲۸ : ۵)	اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کی؟ اللہ ایسے ظالموں کو کبھی سیدھا راستہ نہیں دکھاتا۔
وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (۲۴ : ۵)	اور جس کو اللہ نے روشنی نہ دی ہو اس کے لئے پھر کوئی روشنی نہیں۔

اس پورے مضمون کی تصریح سورۂ بقرہ میں ملتی ہے۔ جس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ایمان اور کفر کے فرق سے نوع بشری کے ان دونوں گروہوں میں کتنا عظیم فرق واقع ہو جاتا ہے

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ، قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ، فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ اَللّٰهُ وَلِىُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ، اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔	دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت کا راستہ گمراہی سے الگ کر کے دکھا دیا گیا ہے۔ اب جو طاغوت کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک مضبوط رسی تھام لی جو ٹوٹنے والی نہیں ہے اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لائے۔ وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے مددگار شیطان ہیں۔ وہ ان کو نور سے تاریکیوں کی طرف نکال لے جاتے ہیں۔ وہ دوزخی ہیں۔ اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۲ : ۳۴)۔

عمل پر ایمان کا تقدم | پھر اسی ایمان اور کفر کے بنیادی فرق نے انسانی اعمال کے درمیان بھی فرق کر دیا ہے۔ قرآن کے نزدیک نیکوکار اور پرہیزگار وہی شخص ہو سکتا ہے جو ایمان لائے۔ ایمان کے بغیر کسی عمل پر بھی تقویٰ اور صلاح کا اطلاق نہیں ہوتا، خواہ اہل دنیا کی نگاہ میں وہ عمل کتنا ہی نیک ہو

وہ کہتا ہے کہ :۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۳۹ : ۴)

اور جو شخص سچی بات لے کر آیا، اور جس نے اس کی تصدیق کی، بس وہی لوگ متقی ہیں۔

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۔ (۲ : ۱)

قرآن ہدایت ہے متقین کے لئے جو غیب کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے اور ہمارے بخشے ہوئے مال کو خرچ کرتے ہیں اور جو اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تیرے اوپر اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو تجھ سے پہلے نازل کی جا چکی ہیں اور جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

پس قرآن کی نگاہ میں ایمان ہی تقوی کی جڑ اور پرہیزگاری کی اصل ہے۔ جو شخص ایمان لاتا ہے اس کے نیک اعمال اس طرح پھلتے اور پھولتے ہیں جس طرح اچھی زمین، اور اچھی آب و ہوا میں باغبان کے لگائے ہوئے درخت سرسبز ہوتے اور پھل پھول لاتے ہیں۔ بخلاف اس کے جو شخص ایمان کے بغیر عمل کرتا ہے وہ گویا ایک بنجر پتھریلی زمین اور خراب آب و ہوا میں باغ لگاتا ہے[۱] یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ ایمان کو عمل صالح پر مقدم رکھا گیا ہے، اور کہیں بھی نرے حسن عمل کو، ایمان کے بغیر، نجات اور فلاح کا ذریعہ قرار نہیں دیا گیا ہے[۲] بلکہ اگر آپ قرآن کا غور سے مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید نے جس قدر اخلاقی ہدایات اور قانونی احکام دیے ہیں ان سب کے مخاطب صرف وہ لوگ ہیں، جو ایمان لا چکے ہیں۔ اس قسم کی تمام آیات یا تو یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہوتی ہیں یا اثنائے بیان میں کسی نہ کسی طور سے تصریح کر دی گئی ہے کہ خطاب صرف مومنین سے ہے۔ باقی رہے

[۱] یہ مضمون قریب قریب اسی تمثیل کے ساتھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ رکوع ۳۶ ۔
[۲] مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں آیات : ۲ : ۳ - ۲ : ۹ - ۲ : ۳۸ - ۴ - ۴ : ۲۴ - ۲ : ۵ - ۲ : ۱۱ - ۲ : ۱۶ - ۱۳ : ۲۰ - ۲ : ۲۰ - ۲۰ : ۶ — ۹۵ - ۱۰۳ - ان حوالوں میں پہلا نمبر سورہ کا ہے دوسرا رکوع کا ۔

کفار تو ان کو حسن عمل کی نہیں، صرف ایمان کی دعوت دی گئی ہے، اور صاف کہدیا گیا ہے کہ جو لوگ مومن نہیں ہیں ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے وہ بے وزن ہیں، بے حقیقت ہیں اور قطعاً ضائع ہو جانے والے ہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا (۲۴: ۵)

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں سراب پیاسا دور سے دیکھ کر سمجھتا ہے کہ پانی ہے مگر جب وہاں پہنچتا ہے تو کچھ نہیں پاتا

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا (۱۸: ۱۲)

ان سے کہو کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال کے لحاظ سے کون لوگ سب سے زیادہ نامراد ہیں؟ وہ جن کی کوششیں دنیوی زندگی میں بیکار صرف ہو گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کا انکار کیا اور یہ تسلیم نہ کیا کہ انہیں اس کے پاس حاضر ہونا ہے۔ اس وجہ سے ان کے اعمال اکارت گئے۔ قیامت کے دن ہم انکے اعمال کو کوئی وزن نہ دیں گے اور وہ دوزخ میں جائیں گے یہ بدلہ ہے اس کا کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کو مضحکہ بنا لیا۔

یہی مضمون سورہ مائدہ (رکوع ۱) انعام (۱۰) اعراف (۱۷) توبہ (۳) ہود (۲) احزاب (۲) زمر (۷) محمد (۱) میں بیان ہوا ہے، اور سورہ توبہ میں صاف تصریح کی گئی ہے کہ جو کافر لفظاً ہر نیک عمل کرتا ہے وہ مومن کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا:۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے والے اور مسجد حرام کو آباد

لِمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ	رکھنے والے کا مرتبہ اس شخص کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ	اور یوم آخر پر ایمان لایا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ـ	کیا؟ یہ دونوں اللہ کے نزدیک ہرگز برابر نہیں اور اللہ
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ	ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور
سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جان اور مال
اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ	سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بڑے درجہ والے ہیں
هُمُ الْفَائِزُوْنَ (۹:۳)	اور وہی کامیاب ہیں۔

خلاصہ اس بیان سے اور قرآن مجید کی ان آیات سے جو اس کی تائید میں پیش کی گئی ہیں چند امور غیر مشتبہ طور پر ثابت ہوتے ہیں:۔

۱۔ ایمان، نظام اسلامی کا سنگ بنیاد ہے۔ اسی پر اس نظام کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ اور کفر و اسلام کا امتیاز صرف ایمان و عدم ایمان کے بنیادی فرق پر مبنی ہے۔

۲۔ انسان سے اسلام کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ایمان لائے۔ اس مطالبہ کو قبول کرنے والا دائرۂ اسلام میں داخل ہے، اور تمام اخلاقی احکام اور مدنی قوانین اسی کے لئے ہیں۔ اور جو اس مطالبہ کو رد کر دے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اس سے نہ کوئی اخلاقی حکم متعلق ہوتا ہے اور نہ کوئی مدنی قانون۔

۳۔ اسلام کے نزدیک ایمان ہی عمل کی جڑ ہے۔ صرف وہی عمل اس کی نگاہ میں قدر و قیمت اور وزن رکھتا ہے جو ایمان کی بنیاد پر ہو۔ اور جہاں سرے سے یہ بنیاد ہی موجود نہ ہو وہاں تمام اعمال بے اصل اور بے وزن ہیں۔

ایک اعتراض ایمان کی یہ اہمیت بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ کہتے ہیں کہ چند عقائد و نظریات کا ماننا کوئی ایسی جوہریت نہیں رکھتا کہ اس کی بنیاد پر نوع انسانی کو دو گروہوں پر تقسیم کیا جائے، ہمارے نزدیک

اصل چیز اخلاق سیرت اور کردار ہے اور اسی پر اچھے اور بُرے، صحیح اور غلط کا امتیاز قائم ہے، جو شخص عمدہ اخلاق، پاک سیرت، نیک کردار رکھتا ہو وہ خواہ ان نظریات کو جنہیں اسلام نے ایمانیات قرار دیا ہے، تسلیم کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، بہرحال ہم اس کو نیک کہیں گے متقین کے گروہ میں شمار کریں گے اور جس میں یہ صفات نہیں ہیں اس کے لئے ایمان اور کفر کا اعتقادی فرق بالکل بے اصل ہے۔ وہ خواہ کسی عقیدہ کا قائل ہو، ہم اس کو بُرا ہی کہیں گے۔ نیک اور متقی کبھی نہ کہیں گے۔ رہی یہ بات کہ اعمال کے وزن اور ان کی قدر و قیمت کا انحصار ایمان پر ہے'۔ اور یہ کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل صالح نہیں ہو سکتا' تو یہ محل نظر ہے، کسی دلیل عقلی کے بغیر یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ محض خدا یا رسول، یا کتاب یا قیامت کے متعلق اسلام سے مختلف عقیدہ رکھنے والے کے فضائل اخلاق اور اعمال حسنہ ضائع ہو جاتے ہیں؟ اگر اسلام کسی عقیدہ کو صحیح سمجھتا ہے تو وہ بلاشبہ اس کی تبلیغ کا حق رکھتا ہے، لوگوں کو اس کی طرف بلا سکتا ہے' اس پر ایمان لانے کی دعوت دے سکتا ہے' مگر اعتقاد کے سوال کو اخلاق اور اعمال کے حدود پر وسیع کرنا۔ اور اخلاق کی فضیلت سیرت کی پاکیزگی' اعمال کی بہتری کو ایمان پر منحصر کر دینا کہاں تک درست ہے؟

بظاہر یہ اعتراض اتنا وزنی ہے کہ بعض مسلمان بھی اس سے متأثر ہو کر اسلام کے اصول میں ترمیم کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں، مگر ایمان کی حقیقت' اور سیرت و کردار سے اس کے تعلق کو سمجھ لینے کے بعد یہ اعتراض خود بخود دفع ہو جاتا ہے۔

اعتراض کی تحقیق سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ افراد نوع بشری کے درمیان خوب و زشت کا امتیاز دراصل دو جداگانہ بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک پیدائشی سرشت جس کا حسن و قبح انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ دوسرے اکتساب جس کا نیک یا بد ہونا عقل و فکر اور اختیار و ارادہ کے صحیح یا غلط استعمال پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ دونوں امور انسانی زندگی میں اپنی تاثیرات کے لحاظ سے باہم اس قدر خلط ملط ہیں کہ ہم ان کو اور ان کی تاثیرات کے حدود کو ایک دوسرے سے ممتاز نہیں کر سکتے۔ مگر نظری حیثیت سے

آنا ضرور جانتے ہیں کہ انسان کی حیات فکر و عمل میں حسن و قبح کی یہ دونوں بنیادیں الگ الگ موجود ہیں جو حسن و قبح سرشت کی بنیاد پر ہے وہ اپنی اصل کے لحاظ سے میزان عدل میں کسی وزن کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ وزن صرف اس حسن و قبح کو حاصل ہونا چاہئے جو اکتساب کی بنیاد پر[1] ہے تعلیم، تلقین، تہذیب کے لئے جتنی کوششیں کی جاتی ہیں ان سب کا تعلق پہلی بنیاد (یعنی پیدائشی سرشت) سے نہیں ہے، کیونکہ اس کے حسن کو قبح سے یا قبح کو حسن سے بدلنا غیر ممکن ہے، بلکہ ان کا تعلق دوسری بنیاد (اکتساب) سے ہے جس کی رہنمائی صحیح تعلیم اور صحیح تربیت کے ذریعہ سے حسن کی جانب، اور غلط تعلیم اور غلط تربیت کے ذریعہ سے قبح کی جانب کی جاتی ہے۔

اس اصل کے لحاظ سے جو شخص انسان کی اکتسابی قوتوں کو حسن کی طرف پھیرنا اور اسی راہ میں ترقی دینا چاہتا ہو اس کے لئے صحیح طریق کار کیا ہو سکتا ہے؟ یہی کہ انسان کو علم صحیح بخشے، اور اسی علم کی روشنی میں اس کے لئے ایک ایسا نظام تربیت وضع کرے جو اس کے اخلاق، سیرت، اور کردار کو، جہاں تک اس کا تعلق اکتساب سے ہے نہ کہ سرشت سے، ایک بہتر سانچے میں ڈھال سکتا ہو۔ اس باب میں علم کا تربیت پر مقدم ہونا لازمی ہے، اور کوئی صاحب عقل و دانش اس تقدم سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ علم ہی عمل کی بنیاد ہے علم صحیح کے بغیر کسی عمل کا صحیح ہونا ممکن نہیں ہے۔

اب علم کو لیجئے۔ علم کی ایک قسم تو وہ ہے جس کا تعلق ہماری زندگی کے جزئیات سے ہے، جس کو ہم مدرسوں میں پڑھتے پڑھاتے ہیں، اور جو بے شمار علوم و فنون پر مشتمل ہے۔ دوسری قسم وہ ہی جو علم کلی، اور قرآن کی اصطلاح میں "العلم" کے نام سے موسوم ہے جس کا تعلق ہمارے معاملات سے نہیں بلکہ

---

[1] ٹھیک یہی بات ہے جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (۲: ۲۸۶) یعنی اللہ کسی نفس کو اس کی قدرت سے زیادہ کسی شئے کا مکلف نہیں قرار دیتا۔ اس نے جو کچھ کسب کیا ہے اسی کا فائدہ اس کو ملیگا۔ اور اس نے جو کچھ اکتساب کیا ہے اسی کی ذمہ داری اس پر ہوگی۔ رہی پیدائشی سرشت تو اللہ نے جس کو جیسی چاہی سرشت بخشی۔ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ (۳: ۱) اور انسان کی زندگی میں اس کی سرشت اور اس کے اکتساب کا جتنا جتنا حصہ ہے۔ اس کو خدا خوب جانتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ۔

"ہم" سے ہے۔ جو اس سے بحث کرتا ہے کہ ہم کیا ہیں؟ یہ دنیا جس میں ہم رہتے سہتے ہیں اس میں ہماری حیثیت کیا ہے؟ ہم کو اور اس دنیا کو کس نے بنایا ہے؟ اس بنانے والے سے ہمارا کیا تعلق ہے؟ ہمارے لئے زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ (ہدیٰ اور صراط مستقیم) کیا ہے اور وہ ہمیں کیونکر معلوم ہو؟ ہمارے سفر حیات کی منزلِ مقصود کونسی ہے؟ علم کی ان دونوں قسموں میں سے یہی دوسری قسم اصل اور بنیاد کا حکم رکھتی ہے ہمارے تمام جزئی علوم اسی کی فرع ہیں، اور اسی علم کے صحیح یا غلط ہونے پر ہمارے تمام تخیلات اور معاملات کی صحت یا غلطی کا دار و مدار ہے پس انسان کی تربیت و تہذیب کے لئے جو نظام بھی وضع کیا جائیگا اس کی بنیاد اسی علم کلی پر قائم ہوگی اگر علم کلی صحیح ہوگا تو تہذیب و تربیت کا نظام بھی صحیح ہوگا اور اگر اس علم میں کوئی خرابی ہوگی تو لازماً اس خرابی سے تہذیب و تربیت کا نظام بھی خراب ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں خدا، ملائکہ، کتب، رسل، اور یوم آخر کے متعلق جو معتقدات پیش کئے گئے ہیں وہ اسی علم کلی سے متعلق ہیں، اور ان پر ایمان لانے کا مطالبہ اس قدر شدت سے اسی لئے کیا گیا ہے کہ اسلام کا نظام تہذیب و تربیت اسی علم پر مبنی ہے۔ اسلام کے نزدیک انسان کی اکتسابی قوتوں کی تربیت اور تہذیب کا وہی نظام صحیح ہے جو صحیح علم کلی پر قائم ہو کسی علم کلی کے بغیر جو نظام قائم کئے گئے ہیں، یا جن کی بنیادیں صحیح علم پر نہیں رکھی گئی ہیں وہ اصلاً غلط ہیں، ان کے تحت انسان کی اکتسابی قوتیں غلط راستوں پر ڈال دی گئی ہیں اور ان راستوں میں انسان کی جو مساعی صرف ہوتی ہیں وہ بظاہر کتنی ہی صحیح معلوم ہوتی ہوں، مگر حقیقت کے اعتبار سے ان کا مصرف غلط ہے؛ ان کا رخ صحیح منزل مقصود کی جانب نہیں ہے، وہ کامیابی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتیں اس لئے وہ ضائع ہو جانے والی ہیں، اور ان کا کوئی فائدہ انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام صرف اپنے راستے کو صراط مستقیم کہتا ہے اور باقی تمام راستوں کو جو بلا علم یا غلط علم کی بنا پر اختیار کئے گئے ہیں چھوڑ دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (۶: ۱۹)

اور اسی لئے اسلام کہتا ہے کہ جس کا ایمان صحیح نہیں ہے اس کے تمام اعمال بے نتیجہ ہیں اور وہ آخرکار نامراد رہنے والا ہے۔ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۱:۵)

اسلام نے جو ایمانیات پیش کئے ہیں وہی اس کے نزدیک عین علم، عین حق، عین صدق، عین ہدایت، اور عین نور ہیں، اور جب وہ ایسے ہیں تو لازماً ان کے خلاف جتنے معتقدات ہیں وہ عین جہل، عین باطل، عین کذب، عین ضلالت اور عین ظلمت ہونے چاہئیں۔ اگر اسلام ان کو چھوڑ دینے کا مطالبہ اس قدر شدت کے ساتھ نہ کرتا، اور اگر وہ ان غلط معتقدات کے قائلین کو صحیح ایمان رکھنے والوں کے برابر درجہ دیتا تو گویا وہ اس امر کا اقرار کرتا کہ اس کے ایمانیات عین حق نہیں ہیں، اور اس کو ان کے صدق اور ہدایت اور نور ہونے کا خود ہی پورا یقین نہیں ہے۔ اس صورت میں اس کا ان ایمانیات کو پیش کرنا، اور ان کی بنا پر تربیت و تہذیب کا ایک نظام وضع کرنا، اور اس نظام میں شامل ہونے کے لئے لوگوں کو دعوت دینا، سب بے معنی ہوتا۔ اس لئے کہ اگر وہ یہ تسلیم کر لیتا کہ اس علم کلی کے خلاف دوسرے علوم بھی اسی کی طرح صحیح ہیں، یا سرے سے کسی علم کلی کے مفقود ہونے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے تو اس علم کلی کو پیش کرنے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دینے میں کوئی معنویت باقی نہ رہتی۔ اسی طرح اگر وہ یہ مان لیتا کہ اس علم کے خلاف دوسرے علوم کی بنا پر یا کسی علم کلی کے بغیر تہذیب و تربیت کے جو نظام وضع کئے گئے ہیں، ان کے ذریعہ سے بھی انسان فلاح پا سکتا ہے تو پھر نظام اسلامی کے اتباع کی طرف دعوت دینے میں کوئی زور نہ ہوتا۔

علاوہ بریں اگر وہ بحث آپ کے ذہن میں تازہ ہے جو رجب کی اشاعت میں ایمان کی حقیقت پر کی گئی تھی تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نے ایمان پر اس قدر زور کیوں دیا ہے؟ تخیل کی دنیا میں رہنے والے ریت پر، پانی پر بلکہ ہوا پر بھی قصر تعمیر کر سکتے ہیں، مگر اسلام ایک حکیمانہ مذہب ہے وہ تہذیب و تربیت کی عمارت بودی بنیادوں پر تعمیر نہیں کر سکتا۔ وہ سب سے پہلے انسان کی روح اور اس کے قوائے فکری

کی گہرائیوں میں مضبوط بنیادیں قائم کرتا ہے پھر ان پر ایک ایسی عمارت بناتا ہے جو کسی کے ہلائے نہیں ہل سکتی وہ سب سے پہلے یہ بات انسان کے ذہن نشین کرتا ہے کہ تیرے اوپر ایک خدا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں تیرا حاکم ہے جس کی حکومت سے تو کسی طرح نہیں نکل سکتا، اور جس کے علم سے تیری کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اس نے تیری ہدایت کے لئے رسول بھیجا ہے، اور رسول کے ذریعہ سے تجھ کو وہ کتاب اور وہ شریعت بھیجی ہے جس کے اتباع سے تو اس حاکم حقیقی کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ اگر تو اس کے خلاف عمل کریگا تو خواہ تیری خلاف ورزی کیسی ہی ڈھکی چھپی ہو، وہ حاکم ضرور تیری گرفت کریگا اور تجھے سزا دیے بغیر نہ رہے گا۔ یہ نقش انسان کے دل پر گہرا بٹھا دینے کے بعد وہ اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔ امر و نہی کے احکام دیتا ہے، اور اسی نقش ایمانی کی قوت سے اپنی تعلیم کا اتباع اور اپنے احکام کی اطاعت کراتا ہے۔ یہ نقش جتنا گہرا ہوگا، اتباع اتنا ہی کامل ہوگا۔ اطاعت اتنی ہی مضبوط ہوگی، اور نظام تہذیب و تربیت اتنا ہی طاقتور ہوگا۔ اور اگر یہ نقش کمزور ہو، یا سرے سے موجود ہی نہ ہو، یا اس کے بجائے کچھ دوسرے نقوش دل پر جمے ہوئے ہوں تو تعلیم اخلاق محض نقش برآب ہوگی، امر و نہی کے احکام بالکل بے زور اور بودے ہوں گے، تہذیب و تربیت کا سارا نظام بچوں کا ایک گھروندا ہوگا، جس کے قیام و دوام کا کچھ اعتبار نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ خوشنما ہو، وسیع ہو، بلند ہو، مگر اس میں استحکام کہاں؟ اس بات کو قرآن حکیم میں ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ كَيْفَ ضَرَبَ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ تُؤْتِىٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال دی ہے؟ کلمہ طیبہ (اعتقاد صحیح) گویا ایک اچھا درخت ہے جس کی جڑ خوب جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک بلند ہیں۔ وہ اپنے پروردگار کے اذن سے ہمہ وقت پھل لاتا رہتا ہے۔ اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ۔ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ (۱۴ : ۴)۔

اور کلمۂ خبیثہ (اعتقاد باطل) کی مثال ایک خراب درخت کی سی ہے جو زمین کے اوپر سے اکھیڑ دیا جاتا ہے، کوئی جماؤ اور مضبوطی ہی نہیں رکھتا۔ اللہ ایمان لانے والوں کو ایک قول ثابت (سچے اعتقاد) کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں استحکام بخشتا ہے اور ظالموں کو یونہی بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے، اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(باقی)

غرانیق علےٰ

(۱)

غرانیق غرنیق یا غرناق یا غرنوق کی جمع ہے جس سے گورے رنگ کے خوبرو نرم و نازک نوجوان مراد ہیں:

اذا انت غِرناق الشباب میال　　ذو دایتین ینحان اسربال

امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں۔

کانّی انظر الی غُرنوقٍ من قریشٍ یتشحط فی دمہ۔

بھری جوانی کا مفہوم بھی آتا ہے:۔

الا انّ تطلاب الصبیٰ منک زلّۃٌ　　وقد فات ریعان الشباب الغرانق

فربہ وجسیم کو بھی کہتے ہیں۔

قلتُ سعدٍ وھو بالازارقِ　　علیکَ بالمحض وبالمشارقِ

واللھوِ عند بادنٍ غرانقِ

ایک طرح کی مرغابی کا نام بھی ہے:۔

اجار الینا لجۃً بعد لجۃٍ　　ازل کغرنیق الضحول عموجٌ

اسی نام کا ایک پودا بھی ہے۔

ابن الانباری کہتے ہیں:۔

الغرانیق العُلی ھی الاصنام وھی فی الاصل الذکور من طیر الماء وکانوا　　غرانیق علےٰ سے بت مراد ہیں، اصل میں یہ مرغابیوں کا نام ہے بشر کین کو گمان تھا کہ جناب الٰہی میں بت ان کے

ایزعمون ان الاصنام تقربهم من الله	ذریعہ تقرب ہیں اور اس بارگاہ میں ان کی شفاعت کرتے
وتشفع لهم الیه فشبهت بالطیور التی تعلو	ہیں اسی بنا پر بتوں کو ان چڑیوں سے تشبیہ دی جو بلند
وترتفع فی السماء ۔	ہوں اور اونچے اڑیں اور آسمان کی خبر لیں ۔

(۲)

یہ تو لفظ کے معنی ہوئے، اب مطلب کو دیکھئے کہ مظہر عجائب مطلع غرائب ہے ۔

اس لفظ کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسوب کرتے ہیں کہ یوں تو آپ ہمیشہ بتوں کے دشمن تھے لیکن ایک دن شیطان نے تنہا پا کر آپ کی زبان سے بھی بتوں کی تعریف کرا ہی لی ۔

کیا شیطان کو اتنی قدرت ہے کہ انبیائے کرام بھی اس کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکیں ؟ مفسرین اس سوال کے جواب میں مذبذب ہیں اور اس تذبذب کی وجہ سورہ حج کی یہ آیت ہے :۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي	ہم نے تمہارے قبل کوئی رسول و نبی ایسا نہیں بھیجا کہ اس نے
الا اذا تمنى القى الشيطان في امنيته	جب تمنا کی ہو تو شیطان نے اس میں وسوسہ نہ ڈالا
فينسخ الله ما يلقي الشيطان ثم يحكم	ہو، خدا شیطانی وسوسہ کو مٹا کر اپنی نشانیوں کو استوار
الله آياته والله عليم حكيم (آیت ۲۲ : ۶)	کرتا ہے اور خدا دانا حکیم ہے ۔

یعنی پیغمبر جب تقرب الی اللہ کے لئے کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو شیطان اس کے خلاف وسوسے پیدا کرتا ہے پیغمبر اس صورت میں خدا سے رجوع کرتا ہے ۔

اس کی نظیر ایک دوسری آیت ہے ۔

ان الذين اتقوا اذا مسهم طائف من	پرہیزگاروں کو جب شیطان کے کسی گروہ نے چھو لیا ۔
الشيطان تذكروا فاذا هم مبصرون	(یعنی برے خیالات ان کے دل میں آئے ۔ تو انہوں نے
(سورہ ۷ رکوع ۲۴ ۔ آیت ۱۷۹)	اللہ کو یاد کیا یاد کرنا تھا کہ ناگاہ بینش والے ہو گئے ۔

ایک اور آیت میں ہے:۔

واما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ (۷:۲۴)	شیطان جب تیرے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے تو خدا سے پناہ مانگ ۔

غرض یہ ہے کہ پیغمبران رسل کو خدا نے اگرچہ دانستہ خطا سے معصوم بنایا ہے لیکن جو ان سہو اور وسوسہ شیطانی سے وہ معصوم نہیں ۔ اس بات میں جو تمام آدمیوں کا حال ہے وہی انکا بھی ہے بجز ان امور کے جو وہ جان کر کریں ۔ سہو میں ان کی پیروی نہ کرنی چاہئے ۔ جو کام وہ بالقصد کرتے ہیں استوار و محکم وہی ہے

ابو مسلم کہتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انسان کے لئے انہیں میں سے پیغمبر بنا کر بھیجے ہیں فرشتے نہیں بھیجے ہیں ۔ اور کوئی پیغمبر ایسا نہیں کہ وحی کی تلاوت میں شیطانی وسوسہ سے بچا ہو شیطان اس کے ذہن میں وحی کی منافی باتیں ڈال دیتا ہے اور اسے یاد کرنے نہیں دیتا ۔ لہذا اللہ تعالیٰ پیغمبر کو وحی اور حفظ وحی پر ثابت قدم کر دیتا ہے اور اسے یہ بتا دیتا ہے کہ یہ امر درست ہے اور شیطان کی جانب سے جو بات ہوتی ہے ۔ اس کو مٹا دیتا ہے ۔ (رازی ج ۲ ص ۲۵)

(۲)

مفسرین اس کی شان نزول میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جب قوم کا منہ پھیرے ہوئے رہنا گراں گذرا تو آپ کے جی میں آیا کہ ایسی وحی نہ اترتی جس سے قریش متنفر ہوں ۔ اس لئے کہ آپ کو ان کے ایمان لانے کی بڑی تمنا تھی ، ایک روز آپ قریش کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورہ " وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی " اترا آپ نے اس کو پڑھنا شروع کیا جب اس آیت پر پہنچے ۔ اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ۔ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی ۔ اور وہ خواہش دل میں موجود تھی تو شیطان نے آپ کی زبان پر جاری کر دیا کہ : تلك الغرانیق العلے وان شفاعتھن لترتجی ۔ (یعنی ان نازک اندام و عالیشان بتوں سے شفاعت کی امید ہے) ، قریش نے جب یہ سنا تو خوش ہوئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

بدستور پڑھتے رہے حتیٰ کہ جب سورۃ ختم ہوئی تو آپ نے آخر میں سجدہ کیا اور ساتھ ہی مجلس میں جتنے مسلمان وکافر تھے سب نے سجدہ کیا۔ قریش کی خوشی کا کیا کہنا کہنے لگے کہ محمدؐ نے ہمارے معبودوں کو خوبی سے یاد کیا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا کہ خدا کی جانب سے میں جو الفاظ نہیں لایا تھا وہ آپ نے پڑھ دئے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ ہوئے اور بہت ڈرے تو اللہ نے یہ آیت اتاری۔

اس واقعہ کو ابن ابی حاتم طبری و ابن منذر نے شعبہ کی سند سے اور بزار و ابن مردویہ نے امیہ بن خالد سے روایت کیا ہے اور وہ بھی شعبہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو تفصیلاً سیرۃ النبیؐ میں محمد بن کعب کی سند سے اور موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں ابن شہاب کی سند سے اور ابو معشر نے محمد بن کعب کی سند سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ معنی سب کے ایک ہیں اور بجز سعید بن جبیر کے یہ حدیث اور جتنے طریقوں سے روایت ہوئی ہے سب یا تو ضعیف ہیں یا منقطع ہیں لیکن کثرت طرق سے پتہ چلتا ہے کہ قصہ کی کچھ نہ کچھ اصلیت ہے۔ اس کے دو طریقے اور بھی ہیں۔ جو مرسل[ل] ہیں۔ اور ان کے راوی ویسے ہی ہیں جیسے صحیحین کے ایک روایت تو وہ ہے جو طبری نے یونس بن یزید کی سند سے ابن شہاب سے روایت کی ہے۔ اور دوسری وہ ہے جو معتمر بن سلیمان و حماد بن سلمہ کی سند سے روایت کی ہے۔ ابو بکر بن العربی نے حسب عادت بڑی جرأت سے کہا ہے کہ طبری نے اس بارے میں بہت سی لغو بے اصل روایتیں درج کی ہیں۔ اور عیاض نے کہا ہے کہ اس حدیث کو اہل صحت میں کسی ثقہ نے بسند صحیح متصل روایت ہی نہیں کیا ہے۔ اس کے نقل جتنے ہیں سب ضعیف ہیں روایتیں مضطرب ہیں اور سند منقطع ہے۔ تابعین و مفسرین میں جن لوگوں نے

[ل] حدیث مرسل وہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے یا یہ کہا ہے اور صحابی جس کے واسطے سے اس کی حدیث روایت کرنی چاہئے اس کا نام نہ لے حدیث مرسل کے قابل استدلال ہونے میں اہل علم مختلف ہیں امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر کسی دوسرے درست طریقے سے بھی مرسل کی تقویت ہوتی ہو تو مان لینا چاہئے ورنہ نہیں۔

اس قصہ کو بیان کیا ہے کسی نے سند نہیں پیش کی اور نہ اصل راوی تک مرفوع کیا۔ اس کے اکثر طریقے ضعیف ہیں"

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ "یہ تمام اقوال خلاف قاعدہ ہیں۔ اس لئے کہ روایت کے طریقے جب کثیر ہوں اور ماخذ مختلف ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی اصلیت ہے اور پہلے بیان ہوچکا ہے کہ ان میں تین حدیثوں کی سندیں صحیح کے قاعدے پر ہیں اور یہ تینوں مرسل ہیں[۱]"۔

(۴)

حقیقت یہ ہے کہ "ایسی حالت میں حدیث مرسل سے استدلال صحیح نہیں روایت جب فاسد ہے تو گو اس کے بہت سے طریقے ہوں اور مختلف ماخذ ہوں لیکن بنائے استدلال اس کو قرار دینا بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ ابن العربی و قاضی عیاض نے جو لکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کے وہی مناسب ہے اس لئے کہ آنحضرتؐ کی عصمت اور اس قسم کے رذائل سے منزہ و مبرا ہونے پر امت کا اجماع ہے اور دلیل قائم ہوچکی ہے نعوذ باللہ نہ ایسی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آسکتی ہے اور نہ زبان پر کہ پیغمبر ہوکر عمداً یا سہواً خدا پر جھوٹ باندھیں۔ یہ تو عقلاً و عرفاً بھی محال ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان مرتد ہوجاتے حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ اور جو مسلمان وہاں موجود تھے۔ ان سے یہ واقعہ مخفی کیونکر رہ گیا[۲]"۔

حافظ ابن حجر نے اسی وجہ سے ایک مقام پر خود کہا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اثنائے قرات میں شیطان کا القا کرنا نہ تو از روئے عقل صحیح ہے اور نہ از روئے نقل[۳]"۔

از روئے عقل اس لئے نہیں کہ جس نے یہ جائز رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی تعظیم کی اس کا یہ قول کفر ہے۔ اس لئے کہ بداہتہً معلوم ہے کہ آپ کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ بتوں کا ازالہ ہو۔ اگر اس کو جائز سمجھ لیں تو شریعت سے امن و حفاظت اٹھ جائے اور تمام احکام و قوانین اسلام میں ماننا پڑے کہ ایسے ہی ہیں اور خدا کا یہ قول غلط ہوجائے کہ:-

---

[۱] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۳۳۳۔ [۲] عینی جلد ۹ صفحہ ۴۷۔ [۳] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۷۴ و ۳۷۴۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ وَ اللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔
اے پیغمبر تمہارے پروردگار نے جو تم پر اتارا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ اور اگر تم نے نہ کی تو پیغامبری نہ کی اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے ہوگا! (سورہ ۵ رکوع ۹ آیت ۶۲)

اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ وحی میں کم کرنا یا بڑھانا دونوں یکساں ہے۔

نقلاً یہ واقعہ اس لئے صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔

ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین۔
ہم پر اگر وہ بعض باتیں گڑھ کر کہتا تو ہم اس سے مواخذہ کرتے اور اس کے دل کی رگ کاٹ دیتے،

سورۃ ۶۹ - رکوع اول- آیت ۱۹ و ۲۰)

اور دوسری آیت میں ہے۔

قل ما یکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ۔
اے پیغمبر کہدو کہ یہ مجھ سے کہاں ممکن کہ وحی کو میں اپنے جی سے بدل دوں مجھ پر جو وحی آتی ہے اس کی پیروی کرتا ہوں

خود اسی سورۃ النجم میں ہے:-

وَمَا ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یُّوحیٰ۔ (سورہ ۵۳ - رکوع ۲ - آیت ۱ و ۲)
پیغمبر احکام الٰہی میں اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ اس کا کلام وحی ہوتا ہے۔

اس آیت کے بعد اگر تلک الغرانیق العلیٰ پڑھتے اور بتوں کی تعریف کرتے تو اسی وقت اللہ کی تکذیب ہو جاتی اور یہ کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔

(۵)

حدیث میں ہے کہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے اس قصہ کی بابت استفسار کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کو بے دینوں نے وضع کیا ہے۔ اور پھر اس کے ابطال میں ایک کتاب بھی تصنیف کی۔

بیہقی نے فرمایاہے "کہ حدیث سے یہ قصہ ثابت نہیں" اس کے جتنے راوی ہیں بیہقی نے سب میں کلام کیا ہے اور سب کو مطعون ٹھیرایا ہے۔[1]

حدیث میں صرف اس قدر ابن مسعود سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم کو پڑھ کر سجدہ کیا۔ بجز ایک قریشی سردار کے کہ اس نے مٹھی بھر کنکری یا مٹی اٹھاکر پیشانی پر مل لی" عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ بحالت کفر قتل ہوا یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم کے آخر میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمان و کافر وجن وانس یعنی سب نے سجدہ کیا۔ یہ حدیث بخاری نے روایت کی ہے۔

ان روایات صحیح میں یہ کہیں نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ کہے یا پڑھے تھے۔

جو واقعہ مفسروں نے اس قصہ میں ابن عباس سے روایت کیا ہے تو ابن عباس سے اسکا راوی کلبی ہے اور وہ نہایت ضعیف بلکہ متروک و ناقابل اعتبار ہے۔ ایک دوسری سند سے نحاس نے بھی اس کو روایت کیا ہے جس کے راوی واقدی ہیں حدیث میں ان کے نام ہی کا آنا اس حدیث کے بے سروپا ہونے کے لئے کافی ہے۔

امام بزار کہتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند متصل مروی ہو"۔

ابن کثیر کہتے ہیں "بہت سے مفسرین نے قصہ غرانیق بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اکثر مہاجرین ارض حبشہ سے اس گمان کی وجہ سے لوٹ آئے کہ مشرکین مسلمان ہو گئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کی روایت کے جتنے طرق ہیں سب مرسل ہیں، میں نے کوئی بھی صحیح طور پر مستند نہیں دیکھا"۔

خلاصہ یہ کہ اس باب میں جتنی روایتیں ہیں سب یا تو مرسل ہیں۔ اور یا منقطع السند ہیں جن میں ایک بھی قابل استدلال نہیں۔ جن صاحبوں کو یہ تمام حدیثیں دیکھنا ہوں وہ سیوطی کی درمنثور میں دیکھیں[2]

---

[1] رازی جلد ۶ صفحہ ۲۴۵ و ۲۴۶، [2] فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۱۸۰ و ۱۸۱۔

مسودہ قانون ازدواج اہل اسلام شرعی نقطۂ نظر میں

از جناب مولانا ضیاء احمد صاحب قدوسی مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

تحفظ حقوق زوجین کے لئے سلطنت آصفیہ کی مجلس وضع قوانین کے سامنے جو مسودہ پیش کیا گیا ہے اسے چونکہ قانون اہل اسلام کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس لئے اس امر کی ضرورت واقع ہوئی کہ اس کو اسی نظریے سے جانچا جائے جس کی طرف وہ منسوب کیا گیا ہے اور اطلاق اسم حقیقۃً اور شرعاً بھی صحیح ہو سکے اور جن مفاسد سے بچنے کی غرض سے اس قانون کے اجراء کی ضرورت پڑی ان سے احتراز کرتے ہوئے دوسرے محظورات شرعیہ کا ارتکاب لازم نہ آئے اس لئے مختصراً کچھ عرض کرنے کی جرءت کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ علماء حنفیہ اگر میری اس ناقص تحریر کو بہ نظر عمیق ملاحظہ فرمائیں گے تو حدود شرعیہ سے خارج نہ پائیں گے۔

مولوی خلیل الزمان صاحب نے "دعاوی فسخ نکاح وتفریق" کا ایک عنوان قرار دیا ہے وجوہ فسخ نکاح اور وجوہ تفریق بصورت خلع یا طلاق کو لاعلی التعیین ذکر کرکے فسخ کا حکم لگا دیا ہے۔ اس طرح دونوں میں التباس ہو جانے کی وجہ سے غلط فہمی کا احتمال یقینی ہے۔ چونکہ فسخ اور تفریق مذکورہ دونوں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اور شریعت نے دونوں کے اسباب واحکام مستقلاً جدا جدا ذکر کئے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ دونوں کی دفعات علیحدہ علیحدہ قائم کرکے ان کے احکام جدا جدا ذکر کئے جائیں۔

دفعہ ۲ ضمن الف ۔۲ میں انہوں نے "یا کسی سخت مرض میں ایک سال الخ" سے کچھ تعمیم کچھ تقیید کی ہے۔ حالانکہ دونوں باتیں فقہاء کے کلام سے خارج ہیں۔ امام طحطاوی شارح درمختار کی عبارت جو اس بارے میں ہے وہ صرف اتنی ہے۔ والحق القہستانی کل عیب لا یمکنها المقام معه الا بضرر (ص ۲۱۳ ج ۲)۔ وھکذا فی الزیلعی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً مرض اگرچہ وہ ایک سال سے زائد کا ہو موجب فسخ نکاح نہیں ہے۔

بلکہ وہ مرض جو عرف میں عیب شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس کے لئے یہ قید بھی نہیں ہے کہ وہ ایک سال سے زائد کا ہو بلکہ اگر کوئی عیب ہو اور تھوڑی مدت سے بھی ہو تو زوجہ کو فسخ کرانیکا حق ہوگا چنانچہ تاتارخانیہ میں ہے:

ولو وجدت المرأة زوجها مريضًا لا يقدر على الجماع لا يوجل ما لم يصح وان طال المرض (ص ۵۴) پس لفظ مرض کی جگہ لفظ عیب رکھا جائے۔ اور ایک سال کی قید اس صورت میں لگائی جائے جبکہ فی الحال بغیر تاجیل کے فسخ کیا جائے۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے ان دونوں اسباب میں جو شرط فسخ نکاح کی تحریر فرمائی ہے۔ (قولہ "لیکن شرط یہ ہے کہ جب شوہر بوقت نکاح" الخ) یہ بالکل خلاف شریعت ہے کیونکہ جملہ فقہا نے عنین خصی وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے کہ عورت کو حق فسخ اس وقت ہے جب کہ اس کے نکاح سے قبل زوج کا عوارض بالا میں سے کسی میں مبتلا ہونا معلوم نہ ہو یا بعد میں معلوم ہونے پر راضی نہ ہو چکی ہو اور اگر وہ جانتی تھی کہ وہ شخص جس سے وہ نکاح کر رہی ہے عنین وغیرہ ہے۔ اور پھر بھی اس سے نکاح کر لیا یا نکاح کے بعد معلوم ہونے پر ایک مرتبہ شوہر سے رضامندی ظاہر کر چکی ہو تو پھر اس کو حق فسخ نہیں ہوگا کیونکہ باوجود علم کے اقدام علی النکاح خود رضامندی کی دلیل ہے۔ اور جب ایک مرتبہ راضی ہو چکی ہے تو پھر اس کو حق فسخ حاصل ہونے کے کوئی معنی نہیں چنانچہ شامی جلد ۲ میں (تحت قولہ غير عالمة بحاله) اما لو كانت عالمة فلا خيار لها على المذهب كما ياتي وكذا لو رضيت به بعده (ص ۹ ج ۲) تاتارخانیہ میں ہے واذا كان امرأة المجبوب عالمة بذلك وقت النكاح فلا خيار لها (ص ۵۳) فتاوی سراجیہ میں ہے۔ العنين اذا تزوج امرأة وهي تعلم بحاله لا خيار لها۔ (ص ۵۵)

اس کے علاوہ بقیہ تین شرائط سے قانون مذکورہ میں نہ نفیاً نہ اثباتاً بالکل تعرض نہیں کیا حالانکہ بلا ان شرائط کے عورت کو حق فسخ نہیں ہوتا۔ وھی ھذہ۔

۲۔ فسخ نکاح کی دوسری شرط یہ بھی ہے کہ شوہر نے نکاح کے بعد سے اس عورت سے بالکل وطی نہ کی ہو

بصورت تحقیق وطی عدالت کو فسخ نکاح کا مجاز نہیں ہوگا چنانچہ درمختار میں ہے۔ فلو جب بعد وصوله
الیها مرة او صار عنینا بعده لا یفرق لحصول حقها بالوطی مرة اور تاتارخانیہ میں
ہے۔ واذا وصل الیها مرة بطل خیارها وسقط حقها (ص۵۳۔) عالمگیری میں ہے
ولو وصل الیها مرة ثم عجز لا خیار لها کذا فی التبیین (ص۴۶۹/ج۱)
۳۔ حق فسخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ عورت رتقاء قرناء نہ ہو چنانچہ شامی میں ہے (تحت قوله
فرق الحاکم بطلبها لو حرة بالغة غیر رتقاء و قرناء) اما هما فلا خیار لهما
لتحقق المانع منهما کما مر ولانه لا حق لهما فی الجماع (ص۹۱۶/ج۲) وفی الطحطاوی
بعده فلا حق لهما فی الطلب (ص۲۱۶/ج۲) تاتارخانیہ میں ہے۔ ولو کانت المرءة رتقاء
والزوج عنین فلا خیار لها (ص۵۳۔)
۴۔ چوتھی شرط عنین خصی میں مطلقاً اور مجنون مبروص وغیرہ میں مجبوب کے علاوہ بشرطیکہ وہ
مرض وعیب ایک سال سے کم کا ہو، یہ بھی ہے کہ عدالت اولاً اس کو ایک سال کی مہلت بغرض علاج دے۔
اگر اتنی مدت میں اچھا نہ ہوا اور عورت دوبارہ فسخ نکاح کا دعوی کرے تو اس وقت نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے
بغیر حاکم مسلم کے مہلت دیے اور بغیر دوبارہ عورت کے چارہ جوئی کیے عدالت کو فسخ کا مجاز نہیں ہوتا چنانچہ
طحطاوی میں ہے (قوله اجل) ای اجله القاضی وعن الحموی دل کلامه علی ان
تاجیل غیر القاضی لا عبرة به وظاهره ولو محکما (ص۲۱۱/ج۲) وفیه بعده فلا یعتبر
تاجیل المراة ولا غیرها۔ عالمگیری میں ہے۔ کما یؤجل العنین یوجل الخصی وکذا
الشیخ الکبیر وان قال لا ارجوان اصل الیها کذا فی فتاوی قاضی خان (ص۴۷۰/ج۱) و
فیه بعده وحکم الخنثی المشکل کحکم العنین وفیه علی ص۴۷۰ قال محمد رحمه الله
ان کان الجنون حادثا یوجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأ

وان کان مطبقا فهو کالجب وبه ناخذ کذا فی الحاوی القدسی بحرالرائق میں ہے۔ و
قد کتبنا فی القواعد الفقهیة فی مذهب الحنفیة ان قاضیا لو قضی بعد م
تاجیل العنین لم ینفذ قضاءه وعن الخانیة اذا ثبت عدم الوصول اجله
القاضی طلب او لم یطلب وفیه بعده قوله فان وطی والا بانت بالتفریق ان
طلبت ای طلبا ثانیا فالاول للتاجیل والثانی للتفریق (ص ۱۲۵ ج ۴)
دفعہ ۲ ضمن ب قولہ "جب شوہر مفقود الخبر الخ" قیدی شوہر کے لئے ایک شرط فقہا کے کلام
میں مصرح ہے وہ یہ کہ قیدی کی حیات ممات چار سال سے معلوم نہ ہوی ہو۔ اس سے مسودہ میں بالکل تعرض
نہیں کیا۔ ضرورت ہے کہ اس کا بھی اضافہ کیا جائے کیونکہ اگر قیدی کا حال معلوم ہوگا تو پھر شرعاً عدالت
کو اس کے نکاح کے فسخ کا اختیار نہ ہوگا۔ طحطاوی میں ہے۔ (تحت قولہ فدخل الاسیر المدار
انما هو علی الجهل بحیاته وموته (ص ۵۰۰ ج ۲) وفی النقایة مع شرحها للقهستانی
هو غائب لم یدر اثره ای لم یعلم حیاته ولا موته ولا مکانه - فی الهندیة
والذی غاب عن اهله او بلده او اسره العدو ولا یدری احی هو ام میت
ولا یعلم له مکان ومضی علی ذلك زمان فهو مفقود بهذا الاعتبار پس بصورت
حق فسخ نہ تخفیف مہر پر فسخ کو معلق کرنا درست ہے اور نہ بصورت فسخ کرنے کے تخفیف مہر پر عورت کو مجبور
کرنا جائز ہوگا۔ کما لا یخفی علی ادنی متامل۔
(ج) کے تحت جو کچھ کہا گیا ہے اس سے ایک قسم کی تعمیم پائی جاتی ہے جو مذہب حنفی کے خلاف ہے
اور جو توضیح ظلمہ کی کیگئی ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عدم قابلیت ادائی نفقہ اور عدم ادائی نفقہ دونوں
صورتوں میں حاکم کو فسخ نکاح کا مجاز ہے حالانکہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کا عدم ادائی نفقہ کی صورت میں
فسخ نکاح کا مذہب نہیں ہے چنانچہ شامی میں لکھا ہے والحاصل ان التفریق بالعجز عن النفقة

جائز عند الشافعی حال حضرۃ الزوج وکذا حال غیبتہ مطلقاً او ما لم تشہد بنیتہ باعسارہ الآن کما علمت مما نقلناہ عن التحفۃ والحالۃ الاولی جعلہا مشایخنا حکماً مجتہداً فیہ فینفذ فیہ القضاء دون الثانیۃ وبہ تعلم ما فی کلام الشارح حیث جزم بالنفاذ فیہما فانہ مبنی علی خلاف الصحیح المار عن الذخیرۃ حیث قال والاصح عندہ عدم الفسخ مع الموسر حقہا کمذہبنا (ص۱۰۱۳ ج۲) وفی الدر و جوزہ الشافعی باعسار الزوج وبتضررہا بغیبتہ وفی الطحطاوی تحت قولہ و لو موسراً قد علمت ان ہذا فی موسر غائب واما الموسر الحاضر فقال فی فتح القدیر لو امتنع من الانفاق علیہا مع الیسر لم یفرق ویبیع الحاکم مالہ علیہ ویصرفہ فی نفقتہا فان لم یجد مالہ یحبسہ حتی ینفق علیہا ولا یفسخ (ص۲۶۲ ج۲)

البتہ عدم قابلیت ادائی نفقہ میں ائمہ ثلاثہ احناف کے خلاف ہیں اون کے نزدیک ایسی صورت میں بھی مسلمان حاکم نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ جبکہ زوج کو ادائی نفقہ پر قدرت اور استطاعت نہ ہو۔ احناف کا مذہب اگرچہ راجح یہی ہے کہ اس صورت میں فسخ نہیں ہے لیکن بعض فقہا نے اسکی تصریح کی ہے کہ اگر کوئی حاکم مسلم فسخ نکاح کا حکم کر دے تو امام صاحب کی ایک روایت کی بنا پر وہ حکم نافذ ہو کر نکاح فسخ ہو جاسے گا چنانچہ بحر الرائق میں ہے وان کان حنفیا لا ینبغی لہ ان یقضی بالتفریق بخلاف مذہبہ الا اذا کان مجتہدا ووقع اجتہادہ علی ذلک فان قضی مخالفاً لرأیہ من غیر اجتہاد فعن ابی حنیفہ روایتان (ص۳ ج۲) غرض صرف عدم استطاعت کی صورت میں احناف کے مذہب میں گنجائش نکل سکتی ہے۔ نیز عدم استطاعت کو ظلم قرار دینا خود ظلم ہے۔ زوج میں ادائی نفقہ کی طاقت ہی نہیں تو اس کو اس کا ظلم کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ تحقق ظلم کے وقت شریعت نے خلع اور طلاق کا حکم دیا ہے نہ کہ فسخ نکاح کا۔ اس زوجہ کو تفریق نکاح بصورت خلع یا طلاق کے

اسباب میں شمار کیا جائے اور توضیح میں سے عدم قابلیت ادائی نفقہ کی قید کو حذف کر کے اس کو مستقلاً فسخ نکاح کے اسباب میں شمار کیا جائے۔ ورنہ دفعہ مجموعۂ من حیث المجموع کسی کے مذہب پر بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔

ضابطہ بصورت مفقود الخبری دفعہ ۳۔ اس میں بھی تھوڑی سی اصلاح کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ انکشاف حالات کی غرض سے صرف ورثہ یا اقرابتدار کا بیان قلمبند کیا جائے اگر کوئی ان میں سے ہو ورنہ اور کسی کا بیان نہیں سنا جائیگا۔ حالانکہ تحقیق حال ہر حال میں ضروری ہے اور کم از کم شرعی شہادت یعنے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں خواہ مفقود الخبر کے رشتہ دار ہوں یا اس کے محلہ والے یا دوست و احباب یا ان کے علاوہ دوسرے محلہ کے محض ایک کے بیان پر فسخ نکاح جائز نہیں کما فی العالمگیریہ علی صفحہ ۴۵۶ ج ۳ ومنها الشهادة بغير الحدود والقصاص وما يطلع عليها الرجال وشرط فيها شهادة رجلين او رجل و امراتين سواء كان الحق مالا اوغير مال الخ درمختار میں ہے ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال صبي ولوللارث رجلان او رجل وامراتان

دفعہ ۴۔ عورت کے امراض میں رتقا و قرن رہ گیا ہے اس دفعہ میں اس کی بھی تصریح کی ضرورت ہے۔ نیز بصورت تعدی زوجہ بھی تخفیف مہر کلاً یا جزاً ہونی چاہئے تاکہ عورتیں اقدام تفریق پر دلیر نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ تخفیف مہر کے لئے یہاں بھی ایک قید ہونی ضروری ہے وہ یہ کہ نکاح سے قبل شوہر کو زوجہ کا عیوب بالا میں مبتلا ہونا معلوم نہ ہوا ہو یا بعد نکاح معلوم ہونے پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو۔ تیسرے یہ کہ جملہ صورتوں میں ایک ربع دینار کی تعیین بھی غیر مناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ بعض اسباب تفریق کے اخف ہیں اور بعض اشد اس لئے ہر صورت میں اس کے مناسب تخفیف ہونی چاہئے تاکہ نہ عورت پر تعدی واقع ہو اور نہ مرد پر۔ قرآن شریف میں وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

دفعہ ۵ کی عبارت سے لازم آتا ہے کہ نابالغ کا نکاح غیر اب وجد کا کیا ہوا نافذ ہی نہیں جب تک کہ

بعد البلوغ وہ خود اس کو تسلیم نہ کرے حالانکہ نکاح مذکورہ شرعاً صحیح ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر فسخ نکاح سے قبل
احد الزوجین کا انتقال ہوجاوے تو ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اور پورا مہر واجب ہوجاتا ہے
اور زوج کو زوجہ سے قبلِ فسخ وطی کرنا بھی حلال ہے البتہ غیر ولایت تامہ ہونے کی وجہ سے نابالغ کو حق
فسخ حاصل ہے۔ کما یدل علیہ ما فی الدر المختار وان کان من کفوء وبمہر المثل صح
ولکن لہما ای لصغیر وصغیرۃ وملحق بہما خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ
او العلم بالنکاح بعدہ لقصور الشفقۃ فیتوارثان فیہ ویلزم کل المہر وفی الشامی
تحتہ لان المہر کما یلزم جمیعہ بالدخول ولو حکماً کالخلوۃ الصحیحۃ کذلک یلزم
بموت احدہما قبل الدخول اما بدون ذالک فیسقط ولو الخیار منہ۔ عالمگیری
میں ہے فان اختار الصغیر او الصغیرۃ الفرقۃ بعد البلوغ یفرق القاضی بینہما حتی
مات احدہما توارثا ویحل للزوج ان یطأہا ما لم یفرق القاضی بینہما کذا فی المبسوط
(ج ۲ ص ۲۶۰) نیز اس دفعہ میں ایک شرط بڑھانی ضروری ہے وہ یہ کہ نکاح غیر کفو میں نہو یعنی اگر غیر اب و جد
غیر کفو میں نابالغ کا نکاح کردیں گے تو وہ شرعاً باطل ہوگا۔ اس کے فسخ کی بھی ضرورت نہیں چنانچہ درمختار
میں ہے وان کان المزوج غیرہما ای غیر الاب والجد لا یصح النکاح من غیر کفوء۔
نیز فسخ کے صحیح ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمان حاکم نکاح فسخ کرے غیر مسلم کے فسخ کرنے سے نکاح فسخ نہیں ہوگا
فقہاء نے تصریح کی ہے۔ فتاوی خیریہ میں ہے ولا یصح التاجیل الا من الحاکم الشرعی ولا عبرۃ
بتاجیل غیرہ (ص ۶۱) عالمگیری میں ہے ولا ولایۃ لصغیر ولا مجنون ولا لکافر علی مسلم
ومسلمۃ کذا فی الحاوی (ج ۱ ص ۲۶۶) وفی المجلد الثالث علی ص ۲۵ ولا تصح ولایۃ القاضی
حتی یجتمع فی المولی شرائط الشہادۃ من الاسلام والتکلیف والحریۃ الخ وقد قال
اللہ تعالی فی القرآن الحکیم وَلَن یَجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکَافِرِیْنَ عَلَی المؤمنین سبیلاً۔ الایۃ

دفعہ ۶ بھی درست نہیں ہے کیونکہ نابالغ کا نکاح اگر باپ دادا نے کیا ہو تو مذہب حناف کی رو سے نابالغ کو خیار فسخ نہیں ہے البتہ ایک صورت میں فقہاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس نکاح کو باطل قرار دیا ہے جس کی تصریح دفعہ ہذا کے تحت کر دی گئی ہے چنانچہ در المختار میں ہے ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او زوجھا بغیر کفوء ان کان الولی ابا وجداً لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقاً طحطاوی میں ہے ای لاخیار فیہ فی ھذہ الصور الاتیۃ (ج ۲ ص ۳۳)۔

دفعہ ۷۔ بخلاف بقیہ دفعات کے بلا کسی تعمیم و تقیید کے شرعاً صحیح اور درست ہے فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے اور اس زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے اس کا ہونا بھی ضروری ہے خصوصاً جبکہ اس کے جملہ حقوق کا لحاظ شرعی حیثیت سے کیا جا رہا ہو چنانچہ در مختار میں ہے وافتی مشائخ بلخ بعدم الفرقۃ بردتھا زجراً وتیسیراً لاسیما التی تقع فی المکفر ثم تنکر فی الطحطاوی قولہ زجراً لھا یوخذ منہ ان محل ما ذکر اذا قصدت بالردۃ المفارقۃ ونحوھا وفیہ ایضاً تحت قولہ قال فی النھر الخ عبارتہ ولا یخفی ان الافتاء بما اختارہ بعض ائمۃ بلخ اولی من الافتاء بما فی النوادر ولقد شاھدنا من المشاق فی تجدیدھا فضلا عن جبرھا بالضرب ونحوہ ما لا یعد ولا یحصی وقد کان بعض مشائخنا من علماء العجم ابتلی بامرأۃ تقع فیما یوجب الکفر کثیراً ثم تنکر وعن التجدید تابی ومن القواعد المشقۃ تجلب التیسیر واللہ المیسر لکل عسیر (ج ۲ ص ۵۰)

الحاصل جملہ مسائل پر غائر نظر ڈالنے سے میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں اور دائرہ شریعت میں رہکر قانون کی جو تصویر میرے ذہن میں آئی ہے وہ پیش کی جاتی ہے مجھے امید ہے کہ اراکین مجلس وضع قوانین اسلامی احکام کو عقلی دستبرد سے بچاکر دامن شریعت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔

دفعہ ۲۔ وجوہ فسخ نکاح | شوہر (الف) عنین خصی یا مجبوب ہو۔

ب۔ مجذوم مبروص مجنون ہو یا اور کسی ایسے عیب میں مبتلا ہو کہ جس کی وجہ سے زوجہ بلا سخت تکلیف برداشت کئے اس کے پاس نہ رہ سکتی ہو لیکن شرط یہ ہے کہ عورت کے نکاح کے وقت شوہر کا عوارض بالا میں سے کسی میں مبتلا ہونا معلوم نہ ہوا ہو یا بعد نکاح معلوم ہونے پر رضامندی ظاہر کر چکی ہو۔ ورنہ عدالت کو مجاز نہ ہوگا۔

دوسری شرط عنین خصی مجبوب میں یہ بھی ہے کہ شوہر نے اس سے نکاح کے بعد سے بالکل وطی نہ کی ہو۔ اگر ایک مرتبہ بھی شوہر زوجہ سے وطی کر چکا ہے اور بعد میں عنین وغیرہ ہوا تو پھر عدالت فسخ نہ کر سکے گی۔

تیسری شرط ان تینوں میں یہ بھی ہے کہ عورت رتقاء قرنا نہ ہو ورنہ عدالت کو فسخ کا مجاز نہ ہوگا۔

چوتھی شرط عنین خصی میں مطلقاً اور مجنون مبروص وغیرہ میں علاوہ مجبوب کے اگر وہ مرض ایک سال سے کم کا ہو یہ بھی ہے کہ عدالت اولاً شوہر کو ایک سال کی مہلت بغرض علاج دے اس کے بعد بھی اگر اچھا نہ ہو۔ اور عورت دوبارہ عدالت سے چارہ جوئی فسخ نکاح کی کرے تو پھر عدالت کو فسخ کا مجاز ہوگا۔ بغیر عدالت کے مہلت دئے اور بغیر عورت کے دوبارہ چارہ جوئی کئے فسخ کرنا غیر معتبر ہوگا۔

(ج) مفقود الخبر ہو یا طویل مدت کے لئے قید کر دیا گیا ہو اور جائداد شوہری بقدر کفالت نان نفقہ موجود نہ ہو یا زوجہ کے نان و نفقہ کا کوئی معقول انتظام کر گیا ہو تو تاریخ مفقود الخبری یا قید سے چار سال گذر گئے ہوں۔

لیکن قیدی شوہر کے معاملہ میں شرط یہ ہے کہ اس کی زندگی و موت قید ہو جانے کے بعد سے معلوم نہ ہوئی ہو بصورت علم حق فسخ نہیں ہوگا۔ یا اگر کچھ مدت تک اس کا حال معلوم ہوتا رہا ہو اور بعد میں معلوم نہ ہوا تو عدم علم کے وقت سے چار سال گذر گئے ہوں۔

(د) جبکہ زوج میں زوجہ کو نان و نفقہ دینے کی استطاعت نہ ہو۔

نوٹ جملہ صورتوں میں، عدالت فسخ نکاح کی اس وقت مجاز ہوگی جب کہ شوہر طلاق دینے سے انکار کرے۔

دفعہ ۳ وجوہ تفریق بصورت خلع یا طلاق | جب شوہر کا معاملہ زوجہ کے ساتھ ظالمانہ ہو۔

توضیح شوہر کا زوجہ کے پاس نجانا یا عدم ادائی نفقہ یا دیگر کسی قسم کی تکلیف پہونچاتے رہنا ظلم شمار کیا جائیگا۔

دفعہ ۴ ضابطہ مفقود الخبری | عدالت پر لازم ہوگا کہ مفقود الخبری وغیرہ مندرجہ دفعہ ۲ ضمن ج کی بنا پر کسی دادرسی کے عطا کرنے سے قبل شخص مفقود الخبر کے قرابتدار یا دیگر اہل محلہ میں سے کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا بیان بغرض انکشاف حالات قلمبند کرے۔

دفعہ ۵ بعض صورتوں میں تخفیف مہر | جب شوہر کی جانب سے زوجہ کو طلاق دی جائے اور زوجہ کسی مرض مندرجہ دفعہ ۲ ضمن ب میں قبل نکاح مبتلا تھی یا اختیار کرنا تھی اور اس وقت شوہر کو اس کا علم نہیں تھا۔ اور بعد میں راضی ہوا یا زوجہ کا معاملہ شوہر کے ساتھ ظالمانہ ہو تو اسوقت عدالت مہر میں مناسب تخفیف کی مجاز ہوگی۔

دفعہ ۶۔ احکام نسبت خیار بلوغ جب نکاح باپ دادا کے سوا کسی اور نے کیا ہو | اگر کسی شخص کا نکاح نابالغی میں باپ دادا کے علاوہ کسی اور کی ولایت سے ہوا اور بعد بلوغ کے فوراً نکاح سے ناراضی ظاہر کرنے کی شہادت شرعیہ پیش کی ہو تو عدالت ایسے نکاح کے فسخ کی مجاز ہوگی۔

لیکن شرط یہ ہے کہ نکاح کفو میں کیا گیا ہو۔ اگر نکاح غیر کفو میں ہوا ہے تو اس کو باطل قرار دیا جائیگا فسخ کی ضرورت نہیں۔

نوٹ فسخ کی جملہ صورتوں میں مسلمان حاکم کا ہونا ضروری ہے غیر مسلم کے فسخ کرنے سے نکاح فسخ نہیں ہوگا۔

دفعہ ۷۔ احکام نسبت تفریق جب نکاح نابالغ کے باپ دادا نے کیا ہو | جب کسی ایسے شخص کی جانب سے

جس کا نکاح باپ دادا نے زمانہ نابالغی میں کیا ہو دعویٰ بغرض فسخ نکاح بعد البلوغ بلا غیر ضروری تعویق کے پیش کیا جاوے اور عدالت کے نزدیک باپ دادا کی نکاح سے قبل اولاد کی طرف سے بے پروائی ثابت ہو جائے اور نکاح غیر کفو میں ہوا اور نابالغ کے حق میں مضر ہو تو عدالت اس نکاح کو باطل قرار دیگی۔

دفعہ ۸ ۔ ایسا ارتداد جو حقوق زن وشوئی سے گریز کرنے یا انفساخ نکاح یا تفریق کی غرض سے اختیار کیا گیا ہو نا قابل لحاظ ہو گا۔

هٰذَا مَا عِنْدِیْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔

مذاکرۂ علمیّہ

مسئلۂ جبر و قدر

(۶)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو اشاعت ماہ شعبان ۱۳۵۲ھ)

پس تقدیر پر عقیدہ رکھنے کی جو تعلیم قرآن حکیم میں دی گئی ہے۔ اس کا اصل مقصود یہ ہے کہ انسان دنیا کی تمام قوتوں سے حقیقی تاثیر اور نفع و ضرر کی قدرت کو سلب کر کے، صرف خدا کو فاعل و مؤثر، اور نافع و ضار سمجھے، اور اپنے سب معاملات میں اسی پر بھروسہ کرے۔ اگر مصیبت آئے تو مایوس نہ ہو۔ خودداری کے اعلیٰ مقام سے نہ گرے، مخلوقات کے سامنے ذلت نہ اختیار کرے، اور اگر راحت میسر ہو تو اس پر پھولے نہیں غرور و نخوت کو اپنے نفس میں جگہ نہ دے، اور خدا کی زمین پر سرکشی و تکبر نہ اختیار کرے۔ یہی بات ہے جو سورۃ الحدید میں بیان کی گئی ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (۳)	جو مصیبت بھی زمین میں آتی ہے، یا خود تم پر نازل ہوتی ہے، وہ پیش آنے سے پہلے ہی ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور یہ اللہ کے لئے ایک سہل سی بات ہے۔ تم کو یہ بات اس لئے بتادی گئی کہ جو کچھ نقصان تم کو پہنچے اس پر دل شکستہ نہ ہو، اور جو کچھ خدا تم کو عطا کرے اس پر اترا نہ جاؤ۔ اللہ کسی اکڑنے اور اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

عقیدۂ تقدیر کا فائدہ عملی زندگی میں| رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی زندگی کے تمام معاملات میں یہی

روح پھونکنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے کیونکہ اس سے اخلاق پر ایک خاص اثر پڑتا ہے، اور اگر لوگوں کے دلوں میں یہ چیز بیٹھ جائے، تو بڑے بڑے تمدنی، سیاسی، معاشی مسائل آپ سے آپ حل ہو جاتے ہیں، بلکہ پیدا ہی نہیں ہوتے (مثال کے طور پر دو حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا یحل لامرأۃ تسأل طلاق اختھا لتستفرغ صحفتھا فانما لھا ما قدر لھا[1] کسی عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی دوسری بہن (یعنی سوکن) کو طلاق دینے کا مطالبہ اس خیال سے کرے کہ اس کے متعلقات اور حظوظ میں کوئی دوسرا شریک نہ رہے، اور رزق کا پیالہ تنہا اس کے لئے خالی ہو جائے۔ اس لئے کہ بہر صورت اس کو وہی ملے گا جو اس کے لئے مقدر کر دیا گیا ہے"۔

ایک دوسری حدیث میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں بہت سی لونڈیاں ہمارے ہاتھ آئیں اور ہم نے ان سے تمتع کیا، مگر اس خیال سے کہ اولاد نہ ہو عزل[2] کرنے لگے۔ پھر ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم پوچھا۔ آپ نے سنتے ہی فرمایا۔ او انکم لتفعلون؟ کیا واقعی تم ایسا کرتے ہو؟ یہی سوال آپ نے تین مرتبہ دہرایا۔ پھر فرمایا ما من نسمۃ کائنۃ الی یوم القیمۃ الا ھی کائنۃ[3]۔ قیامت کے دن تک جو بچے پیدا ہونے ہیں وہ تو پیدا ہو کر ہی رہیں گے۔

ان دونوں حدیثوں میں جن اصول کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، اگر ان کو وسعت کے ساتھ ہم اپنی زندگی کے معاملات میں استعمال کریں، تو وہ معاشی کشمکش اور مزاحمت جس نے دنیا سے سکون و اطمینان چھین لیا ہے کس قدر جلد ختم ہو جائے۔ نہ کوئی کسی کو اپنے رزق کا چھیننے والا سمجھے، اور نہ اپنے رزق کی حفاظت

---

[1] بخاری کتاب النکاح باب الشروط التی لا تحل فی النکاح۔ اسی کے قریب قریب بیہقی اور ابونعیم اصبہانی نے دوسرے طریقوں سے نقل کیا ہے۔ علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ "اہل علم کے نزدیک یہ حدیث ان تمام احادیث میں سب سے بہتر ہے جو تقدیر کے مسئلہ میں منقول ہیں۔ اس کا منشا یہ ہے کہ اگر شوہر عورت کی بات مان بھی لے اور اس بیوی کو طلاق بھی دیدے جس کے متعلق وہ عورت یہ گمان کرتی ہے کہ وہ اس کے رزق میں شریک ہو جائے گی۔ تب بھی اس تدبیر سے اس کو کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس کو صرف اتنا ہی حصہ ملیگا جتنا خدا نے اس کے لئے لکھ دیا ہے، خواہ شوہر اس کی شرط قبول کرے یا نہ کرے۔ [2] العزل، النزع بعد الایلاج لینزل خارج الفرج۔ [3] بخاری کتاب النکاح باب العزل۔

کے لئے کسی کی مزاحمت کرے، نہ سرمایہ دار اور مزدور کا سوال پیدا ہو، اور نہ کسان و زمیندار کا، نہ کروگراڈ اسیل زہاروف پیدا ہوں، نہ لینن اور اسٹالین۔ نہ معاشی اور تمدنی مشکلات کو حل کرنے کے لئے استقاط حمل اور منع حمل کی طرف رجوع کیا جائے، اور نہ اللہ کے انتظام میں اصلاح کی کوشش کی جائے۔

یہ اور ایسے ہی بےشمار اخلاقی اور عملی فوائد ہیں جو قضا و قدر کی اسلامی تعلیم سے حاصل ہوتے ہیں اور انہی فوائد کا حصول اصل مقصود بھی تھا۔ مگر ہماری بدقسمتی کہ ہمنے اس کے عملی اور اخلاقی پہلو کو نظر انداز کرکے اپنی ساری توجہات فلسفیانہ پہلو کی طرف پھیر دیں، اور اپنے مذاق طبیعت کے مطابق کلام اللہ اور کلام رسولؐ سے ان مسائل فلسفہ کو حل کرنے لگے جو کلام الناس سے ہم نے اخذ کئے تھے۔ حالانکہ نہ قرآن مجید ہم کو مابعد الطبیعیات کی تعلیم دینے کے لئے اتارا گیا تھا۔ نہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ آپ فلسفہ کے پروفیسر کا کام انجام دیں، اور نہ خدا اور رسول نے کبھی اس کو پسند کیا کہ ہم اپنی زندگی کے عملی معاملات کو چھوڑ کر ان مابعد الطبیعی مسائل میں الجھ جائیں جن سے دین یا دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

تناقض کی تحقیق یہ مقدمہ ذہن نشین کر لینے کے بعد اب اس سوال کی طرف آیئے کہ قرآن مجید میں خاص تقدیر کے مسئلہ سے بحث کئے بغیر جو مختلف اشارات ضمناً دوسرے مباحث کے سلسلہ میں اس کی جانب کئے گئے ہیں آیا ان میں حقیقۃً کوئی تناقض ہے یا نہیں؟

اگر کسی شئے کو مختلف علتوں کی جانب منسوب کیا جائے تو اس پر تناقض کا حکم صرف اس صورت میں لگایا جا سکتا ہے جب کہ اس شئے کی صرف ایک ہی علت ہو سکتی ہو۔ لیکن اگر اس کی متعدد علتیں ہوں تو ایسی صورت میں اس کو کبھی ایک علت کی جانب اور کبھی دوسری علت کی جانب نسبت دینے میں کوئی تناقض نہ ہوگا۔ مثلاً اگر ہم کبھی یہ کہیں کہ کاغذ کو پانی نے تر کیا اور کبھی یہ کہ اسے آگ نے تر کیا۔ اور کبھی یہ کہ اسے مٹی نے تر کیا۔ تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ تم نے متناقض باتیں کہی ہیں، کیونکہ کاغذ کی تری تو ایک ہی

علت کی طرف منسوب ہو سکتی ہے لیکن اگر ہم کبھی یہ کہیں کہ ملک کو بادشاہ نے فتح کیا، اور کبھی یہ کہ ملک کو سپہ سالار نے فتح کیا، اور کبھی یہ کہ اسے فوج نے فتح کیا، اور کبھی یہ کہ اسے سلطنت نے فتح کیا، اور کبھی اس فتح کو فرداً فرداً ہر سپاہی کی طرف منسوب کریں، تو ان مختلف اقوال پر تناقض کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لئے کہ یہ فتح کا واقعہ مجموعی طور پر ان سب کی طرف بھی منسوب ہو سکتا ہے، اور ایک ایک وجہ سے، ان علتوں میں سے ہر علت کی طرف بھی۔

پھر اگر کسی شئے میں متعدد علتوں کی تاثیرات اس طرح خلط ملط ہوں کہ مخاطب کی عقل کسی طور سے اسکے اندر ہر علت کی تاثیر کو جدا جدا کر کے، ہر ایک کا حصہ الگ الگ متعین نہ کر سکتی ہو، اور نہ ایسے کسی تجزیہ و تحلیل، اور اس طرح کے کسی حساب کو سمجھ سکتی ہو، تو اس صورت میں متکلم کے لئے صحیح انداز بیان یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اجمال کے طور پر اس شئے کو ایک ایک علت کی طرف منسوب کرے، اور اگر مخاطب کسی غلط فہمی کی بنا پر اس شئے کو صرف ایک ہی علت کی جانب نسبت دے رہا ہو تو اس کی تردید کر دے۔ مثال کے طور پر اسی فتح کے واقعہ کو لیجئے۔ اس میں بادشاہ، سپہ سالار، فوج، سلطنت۔ اور فرداً فرداً ہر سپاہی کی قوتیں شریک ہیں۔ مگر وہ اس طرح باہم ملی جلی ہیں کہ ہم کسی تجزیہ و تحلیل اور کسی حساب سے یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ اس واقعہ کے اندر ہر ایک کا حصہ کس قدر ہے۔ اس لئے زیادہ صحیح یہ ہوگا کہ اس واقعہ کو ان میں سے ہر ایک کی طرف بر سبیل اجمال نسبت دی جائے۔ اور اگر کوئی شخص ان میں سے محض کسی ایک کی طرف اس کو حصر و تعیین کے طور پر منسوب کر رہا ہو۔ تو کہہ دیا جائے کہ اس کا قول غلط ہے۔

یہی حال انسان کے افعال کا ہے۔ ہر فعل جو انسان سے سرزد ہوتا ہے اس میں متعدد اسباب شامل ہوتے ہیں، اور اس کے ظہور و صدور میں ہر سبب کا کچھ نہ کچھ حصہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میں اس وقت لکھ رہا ہوں، میرے اس فعل کتابت کا تجزیہ کیجئے تو اس میں اسباب کا ایک پورا سلسلہ آپ کو نظر آئے گا۔ مثلاً لکھنے کے لئے میرا اختیار و ارادہ، میرے اندر جو بے شمار ذہنی اور جسمانی قوتیں موجود ہیں ان سب کا اس

ارادہ کے تحت کام کرنا۔ اور خارجی قوتوں کا جو بے حد حساب ہیں او جن میں سے بہت سی قوتیں میرے علم میں بھی نہیں ہیں، میری مساعدت کرنا۔

پھر ان اسباب کی الگ الگ تحلیل کیجئے۔ یہ بے شمار خارجی قوتیں جو اس وقت اس فعل میں میری مساعدت کر رہی ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی نہ میں نے بنایا ہے نہ فراہم کیا ہے نہ میں ان پر اتنی قدرت رکھتا ہوں کہ انہیں اپنی مساعدت پر مجبور کر سکوں۔ وہ خدا ہی ہے جس نے ان کو اس طور پر بنایا اور اس طرح فراہم کر دیا ہے کہ جب میں لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو یہ ساری قوتیں میری مساعدت کرنے لگتی ہیں۔ اور اگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ میری مساعدت نہ کریں تو میں لکھ نہیں سکتا۔

اسی طرح جب میں خود اپنے اوپر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میرا موجود اور زندہ ہونا، میرا احسن تقویم پر ہونا، میرے جسم کے ان اعضاء کا جو کتابت کے فعل میں حصہ لیتے ہیں، صحیح و سلامت ہونا میرے اندر ان طبعی قوتوں کا موجود ہونا جن سے میں اس فعل میں کام لیتا ہوں، اور میرے دماغ میں حافظہ، تفکر، علم اور دوسری بہت سی چیزوں کا پایا جانا، ان میں سے کوئی امر بھی نہ میری کاریگری کا نتیجہ ہے، نہ میرے اختیار میں ہے۔ ان سب کو بھی اسی خدا نے اس طور پر بنایا ہے کہ جب میں لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں تو یہ سب چیزیں میرا ساتھ دیتی ہیں، اور اگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک شئے میرا ساتھ نہ دے تو میں کتابت کے فعل میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

رہا میرا اختیار و ارادہ تو اس کی حقیقت بھی میں نہیں جانتا۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ پہلے کچھ خارجی اسباب اور کچھ باطنی اسباب سے میرے اندر لکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے پھر میں غور کرتا ہوں کہ لکھوں یا نہ لکھوں۔ پھر دونوں پہلوؤں کے درمیان موازنہ کرنے کے بعد میں لکھنے کے پہلو کو اختیار کرتا ہوں، اور جب میرا میلان فعل کی جانب قوی ہو جاتا ہے تو فعل کا ارادہ کر کے اپنے اعضاء کو اس کے لئے حرکت دیتا ہوں۔ اس خواہش سے لے کر اقدام فعل تک جتنی چیزیں ہیں ان میں سے

کسی چیز کا بھی میں خالق نہیں ہوں، بلکہ مجھے ابتک یہ بھی پوری طرح معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ خواہش اور اقدام فعل کے درمیان کتنی باطنی قوتیں کام کرتی ہیں۔ اور اس کام میں ان کا کتنا کتنا حصہ ہے۔ مگر یہ بات وجدانی طور پر میں اپنے اندر پاتا ہوں کہ خواہش اور اقدام فعل کے درمیان کوئی مقام ایسا ضرور ہے جہاں میں فعل اور ترک فعل میں سے کسی ایک چیز کو آزادنہ اختیار کرتا ہوں اور جب میں آزادی کے ساتھ کسی ایک پہلو کو اختیار کر لیتا ہوں تو مجھے یہ قدرت اپنے اندر محسوس ہوتی ہے کہ جس پہلو کو میں نے اختیار کیا ہے اس کے لحاظ سے اپنے وسائل داخلی اور اسباب خارجی کو استعمال کروں میں اپنے اس اختیار اور آزادیِ ارادہ کو کسی دلیل سے ثابت نہیں کر سکتا۔ مگر کوئی دلیل میرے اور کسی انسان کے ذہن سے اس وجدانی احساس کو دور نہیں کر سکتی حتیٰ کہ جو شخص انتہا درجہ کا جبریہ ہے۔ اس کا وجدان بھی اس احساس سے خالی نہیں ہے، خواہ وہ اپنے فلسفیانہ مسلک کی خاطر کتنی ہی شدت کے ساتھ اس کا انکار کرتا ہو۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ فعل کتابت کے صدور میں جتنے اسباب و علل کام کرتے ہیں ان کو تین جدا جدا سلسلوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ وہ خارجی اور داخلی اسباب جن کا فراہم ہونا کتابت کا ارادہ کرنے سے پہلے ضروری ہے۔

۲۔ میرا کتابت کو اختیار کر کے اس کا ارادہ کرنا۔

۳۔ وہ خارجی اور داخلی اسباب جن کی مساعدت کے بغیر لکھنے کے فعل کا صادر ہونا ممکن نہیں ہے۔

ان تینوں سلسلوں میں سے پہلے اور تیسرے سلسلہ میں جتنے اسباب ہیں ان کے متعلق تو اوپر کہا جا چکا ہے کہ ان کو خدا نے فراہم کیا اور ساز گار بنایا ہے، اور ان میں سے کسی پر بھی میری حکومت نہیں ہے۔ اس لئے ان کے اعتبار سے میرا فعل کتابت خدا ہی کی طرف منسوب ہوگا۔ جس کی "توفیق" اس کام میں میرے شامل حال ہوی ہے۔ رہی بیچ کی کڑی تو وہ ایک وجہ سے میری طرف منسوب ہوگی کیونکہ وہاں

میں نے ایک طرح کا آزادانہ اختیار اور ارادہ استعمال کیا ہے، اور ایک وجہ سے وہ خدا کی طرف منسوب ہو گی جس نے اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر مجھ میں یہ قوت پیدا کی کہ ارادہ کروں اور آزادی کے ساتھ اپنا اختیار استعمال کروں[1]۔

یہ تو تھا مجرد فعل کا حال جو اپنی حقیقت میں بجز ایک حرکت کے اور کچھ نہیں ہے لیکن انسانی افعال بعض اضافی اور اعتباری حیثیتوں سے اپنے دو پہلو رکھتے ہیں۔ ایک خیر کا پہلو اور دوسرا شر کا پہلو۔ مجرد فعل پر نہ خیر کا حکم لگایا جا سکتا ہے اور نہ شر کا۔ البتہ انسان کی نیت اس کو شر بھی بنا سکتی ہے اور خیر بھی (اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات) مثال کے طور پر میں راستے میں ایک اشرفی پڑی ہوئی دیکھتا ہوں اور اسے اٹھا لیتا ہوں۔ میرا اس کو اٹھا لینا محض ایک حرکت ہے جو نیک اور بد دونوں حیثیتوں سے خالی ہے لیکن اگر اس اٹھا لینے کے فعل میں میری نیت یہ ہے کہ میں دوسرے کے مال سے بلا کسی حق کے خود فائدہ اٹھاؤں تو یہ شر ہے۔ اور اگر میری نیت یہ ہے کہ اس کے مالک کو تلاش کر کے اسے واپس دیدوں تو یہ خیر ہے۔ صورت اول میں میری نیت کے ساتھ ایک اور قوت کی تحریک بھی شامل ہو گی

---

[1] یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید میں ان تمام امور کو جو انسان کے اختیار سے باہر ہیں خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور خود انسان کے اختیاری افعال کو بھی بسا اوقات خدا کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ اس لئے کہ انسان جن افعال کو اپنے اختیار و ارادہ کے تحت انجام دیتا ہے وہ بھی خدا کی توفیق کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ خواہش بھی جو تمام افعال انسانی کا مبدا ہے، انسان کے اپنے بس کی چیز نہیں ہے۔ وہ ان اسباب و علل کے اثر سے پیدا ہوتی ہے جو مشیت الٰہی کے تحت حرکت کرتے ہیں یہی معنی ہیں وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ کے، اسی طرح جن افعال میں انسان اپنی قوت تمیز قوت فیصلہ اور قوت ارادی کو استعمال کرتا ہے، اور جن افعال کو وہ خوب سوچ سمجھ کر تمام پہلوؤں کو جانچ تول کر انجام دیتا ہے ان کے اندر بھی اس کی پیدائشی سرشت، احول کے اثرات، وراثت اور تعلیم و تربیت کی تاثیرات اور فراہم شدہ اسباب و علل کی ہیئت اجتماعی کا بہت کچھ دخل ہوتا ہے اور یہ سب چیزیں مل جل کر اس کے اختیار تمیزی کو (جو خالصۃً اس کا اپنا ہے) اس حد تک متاثر کر دیتی ہیں کہ عمل کا جو راستہ بھی وہ انتخاب کرتا ہے وہ محض اس کے اپنے انتخاب کا نتیجہ نہیں ہوتا اب یہ ظاہر ہے کہ ان عوامل کا ہر شخص کی زندگی میں ہر موقع پر ایک خاص ہیئت کے ساتھ مجتمع ہونا جس پر اس شخص کی ہدایت و ضلالت کامیابی و ناکامی کا بہت کچھ انحصار ہے، خدا ہی کی مشیت پر موقوف ہے پس یہ خدا کا عین انصاف اور اپنے بندوں پر اس کا عین فضل ہے کہ اس نے انسان کے خطا و صواب، گمراہی اور راست روی، فلاح اور خسران کی ذمہ داری تنہا انسان پر نہیں ڈالی ہے۔ بلکہ ایک وجہ سے ان تمام امور کو اپنی مشیت پر بھی مبنی قرار دیا ہے۔

جس کو شیطان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور میرا یہ فعل تین علتوں کی طرف منسوب ہوگا۔ ایک خدا، دوسرے شیطان، تیسرا خود میں صورت دوم میں اس فعل کی نسبت دو علتوں کی جانب ہوگی۔ ایک خدا دوسرا میں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہم ہر انسانی فعل کو دو یا تین علتوں کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ مگر یہ کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ فعل میں ان دو یا تین علتوں کی تاثیر کس کس مقدار میں ہے خصوصاً یہ حساب اس حیثیت سے اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے کہ ان تاثیرات کا تناسب تمام انسانوں کے افعال میں یکساں نہیں ہے، بلکہ ہر انسان کے فعل میں جداگانہ ہے۔ اس لئے کہ ہر انسان کے اندر اس کے آزادانہ اختیار اور اس کی مجبوریوں کی مقادیر مختلف ہوتی ہیں۔ کوئی مبدأ فیاض سے زیادہ زبردست قوت تمیز، زیادہ صحیح قوت فیصلہ، ملکوتیت کی جانب زیادہ قوی میلان، اور شیطانی وساوس کا مقابلہ کرنے کی زیادہ طاقت لے کر آیا ہے، اور کوئی کم۔ اور اسی کمی و زیادتی پر، جس کا تناسب ہر شخص کے اندر مختلف ہے، افعال میں انسان کی شخصی ذمہ داری کے کم یا زیادہ ہونے کا انحصار ہے، ایسی حالت میں یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ افعال میں انسان، خدا، اور شیطان کی تاثیرات کا کوئی ایسا تناسب بتایا جا سکے جو عمومیت کے ساتھ تمام انسانی افعال میں پایا جاتا ہو۔

پس جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، انسانی افعال کو ان کی علتوں کی طرف نسبت دینے کی صحیح صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ اجمال کے طور پر ان کو یا تو بیک وقت تمام علتوں کی طرف منسوب کیا جائے یا کبھی ایک علت کی جانب اور کبھی دوسری علت کی جانب۔ اور اگر کوئی شخص غلط فہمی سے ان کو صرف ایک علت کی طرف نسبت دے کر دوسری علتوں کی نفی کرتا ہو تو اس کی تردید کر دی جائے۔

ٹھیک یہی طریقہ ہے جو قرآن مجید میں اختیار کیا گیا ہے اگر آپ ان اشارات کا تتبع کریں، جو قرآن مجید میں مسئلہ جبر و قدر کی طرف کئے گئے ہیں۔ تو ان کو حسب ذیل عنوانات کے تحت مرتب کر سکتے ہیں

نسبت کل افعال الی اللہ (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو بقرہ ۱۲-۱۴-۲۰-۲۶-آل عمران ۱۶-۱۷-نسار-۱۱-انعام ۳ رعد-۲-ابراہیم-۱-فاطر-۲-شوریٰ-۲-۳-فتح-۲)

نسبت خیر الی اللہ (بقرہ ۱۷-۳۴-نسار-۱۱-مائدہ-۸-انعام-۱۵)

نسبت خیر الی العباد (بقرہ ۳۸-آل عمران ۶-فاطر ۳-زمر ۴-احقاف ۲-نجم ۳-دہر ۲-نبار ۲-مزمل ۱-)

نسبت شر الی اللہ (نسار ۱۲-مائدہ ۶-انعام ۱۵-بنی اسرائیل ۵)۔

نسبت شر الی الشیطان۔ (بقرہ ۳۴-وغیرہ)

نسبت شر الی العباد (بقرہ ۱-۴-۵ تا ۹-۱۳-۱۵-۲۱-آل عمران ۶-۷-۱۲-۱۷-۱۸-نسار-۱۱-مائدہ-۱۰-۱۱-انعام ۱-۲-۱۳-۱۵-اعراف ۲۰-انفال-۷-توبہ ۹-یونس ۲-رعد ۲-فاطر ۳-زمر ۳-۴-۷-حم سجدہ ۲-حدید ۴-تحریم ۱-نبار ۲-فجر-زلزال-)

ایک ہی شے کی نسبت خدا اور بندہ کی جانب (بقرہ ۱۲-۱۱-آل عمران ۱۷-نحل ۱۲-۳-طٰہٰ ۳)

ایک ہی شئے کی نسبت خدا اور شیطان کی جانب (بقرہ ۳)

خیر کی ابتدا انسان کی جانب سے اور تکمیل خدا کی جانب سے (رعد ۴-نحل ۱۴-حج ۷-عنکبوت ۷-محمد ۲-تکویر-اعلیٰ-لیل-)

شر کی ابتدا انسان کی جانب سے اور تکمیل خدا کی جانب سے (بقرہ ۱-۲-نسار ۲۲-اعراف ۱۳-۱۷-۱-انفال ۷-توبہ ۱۶-رعد ۲-صف ۱-)

پھر جہاں انسان نے اپنے گناہ کی ذمہ داری خدا پر ڈال کر خود بری الذمہ ہونا چاہا وہاں اس کی تردید کر دی گئی۔ مثلاً۔

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (۴۳: ۲)	اور انہوں نے کہا کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان فرشتوں کی پرستش نہ کرتے لیکن ان کو اس معاملہ (مشیت الٰہی) کا کوئی علم نہیں ہے۔ وہ محض اٹکل سے یہ باتیں کہتے ہیں۔
وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۷: ۳)۔	اور جب انہوں نے کوئی بُرا کام کیا تو کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔ اے پیغمبر ان سے کہدے کہ اللہ بُری باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تم کو علم نہیں ہے۔

اور جہاں انسان نے اپنی ہی تدبیر کو سب کچھ سمجھا اور تقدیر الٰہی کا انکار کیا وہاں اس کی بھی تردید کر دی گئی مثلاً

يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ (۳: ۱۶)	وہ کہتے ہیں کہ اگر معاملات کے طے کرنے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہوتا تو ہمارے آدمی وہاں (میدان جنگ میں) نہ مارے جاتے۔ اے پیغمبر ان سے کہو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے لئے مارا جانا لکھدیا گیا ہے وہ اپنے پچھڑنے کی جگہوں پر خود جا پہنچتے۔

حقیقت کی پردہ کشائی اس بحث سے یہ بات تو صاف ہوگئی کہ قرآن مجید میں مسئلہ جبر و قدر کے متعلق جو اشارات مختلف مواقع پر کئے گئے ہیں، ان میں درحقیقت کوئی تناقض و تعارض نہیں ہے لیکن ایک سوال پھر بھی باقی رہ گیا، اور وہ یہ ہے کہ مخلوقات عالم میں انسان کی وہ کونسی امتیازی حیثیت ہے جس کے لحاظ سے ایک طرف تو وہ تمام موجودات کی طرح خدا کا محکوم ہے قوانین خداوندی میں جکڑا ہوا ہے، بندہ ہے

مجبور ہے۔ اور دوسری طرف اپنے افعال میں مختار بھی ہے، اپنے اعمال کا ذمہ دار بھی ہے، اپنی حرکات وسکنات کے لئے جواب دہ بھی ہے۔ جزا اور سزا کا مستحق بھی ہے؟ نیز جب انسان کا حال یہ ہے اور اس کی زندگی میں جبر اور اختیار اسی طرح ملے جلے ہیں، تو عدل کیونکر ممکن ہے؟ اس لئے کہ صحیح انصاف کے ساتھ جزا و سزا کا فیصلہ کرنا بغیر اس تحقیق کے ممکن نہیں ہے کہ اس کے افعال کی ذمہ داری خود اس پر کس حد تک ہے؟ اور ذمہ داری کی تشخیص بغیر یہ معلوم کئے نہیں ہو سکتی کہ اس کے افعال میں اس کے آزادانہ اختیار کا کتنا حصہ ہے؟ اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے جب ہم قرآن مجید پر نظر ڈالتے ہیں تو اس سے ہم کو ایک ایسا تشفی بخش جواب ملتا ہے، جو دنیا کی کسی دوسری کتاب، اور دنیا کے کسی انسانی علم و فن سے نہیں ملتا۔

مخلوقات میں انسان کی امتیازی حیثیت

قرآن ہمیں خبر دیتا ہے کہ انسان کی پیدائش سے پہلے کائنات میں مخلوقات کی جتنی انواع موجود تھیں وہ سب اپنی فطرت کے لحاظ سے اطاعت کیش واقع ہوئی تھیں۔ اختیار اور ارادہ کی قوت سرے سے ان کو دی ہی نہیں گئی تھی۔ ان کا کام صرف یہ تھا کہ جس کے سپرد جو خدمت کر دی گئی ہے، اس کو وہ ایک قانون اور ایک نظام کے مطابق، ذرہ برابر سرکشی کئے بغیر بجا لاتا رہے۔ ان میں سب سے افضل مخلوق فرشتے تھے جن کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (۶۶ : ۱) اسی طرح اجرام فلکی کی عظیم الشان ہستیاں تھیں جن کا حال یہ تھا۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ۔ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (۳۶ : ۳)۔ یہی حال آسمان و زمین کی دوسری مخلوقات کا تھا۔ کہ كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ (۳۰ : ۳) اور لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ، يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (۲۱ : ۲)۔

پھر اللہ نے چاہا کہ اپنی بنائی ہوئی مخلوقات میں سے کسی کو اپنی وہ امانت سپرد کرے جو اس وقت تک کسی کو نہ دی گئی تھی۔ چنانچہ اس نے وہ امانت آسمان اور زمین کی مخلوقات میں سے ایک ایک کے سامنے پیش کی اور ہر ایک نے زبان حال سے اپنی ناقابلیت اور اپنے عدم تحمل کا اقرار کیا۔ آخرکار اللہ نے اپنی تخلیق کا جدید ترین ایڈیشن نکالا جس کا نام انسان ہے اور اس نے بڑھ کر وہ بار امانت اٹھالیا جس کے اٹھانے کی صلاحیت اور ہمت کسی دوسری مخلوق میں نہ تھی۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (۳۳: ۹)۔

یہ امانت کیا تھی؟ اللہ تعالیٰ کی ان مخصوص صفات، علم، قدرت، اختیار، ارادہ اور فرمانروائی، کا پرتو جو اس وقت تک کسی مخلوق پر نہ ڈالا گیا تھا۔ جس کے قبول کرنے کی صلاحیت نہ فرشتوں میں تھی، نہ اجرام فلکی میں، نہ پہاڑوں میں نہ زمین و آسمان کی کسی اور مخلوق میں۔ وہ صرف انسان تھا جو اپنی فطرت کے لحاظ سے اس پرتو کا متحمل ہوسکتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ بار امانت اٹھالیا۔ اور اسی لئے وہ اللہ کی خلافت و نیابت کے منصب پر سرفراز ہوا۔ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (۲: ۴)۔

اس بار امانت کے حامل، اس خلیفۃ اللہ فی الارض کی امتیازی خصوصیت، جس کی بنا پر وہ دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز ہوگیا ہے، یہ ہے کہ وہ طبعاً اطاعت کیش نہیں بنایا گیا ہے[1]۔ اس کو عام مخلوقات کی طرح نظام کلی کے تحت قوانین و حدود الہیہ کا پابند بنانے کے ساتھ، ایک ایسی قوت بھی عطا کی گئی ہے جس کی وجہ سے وہ بخلاف دوسری مخلوقات کے، ایک خاص دائرہ میں مجبورانہ طاعت سے آزاد ہے، اور اتنا اختیار رکھتا ہے کہ چاہے اطاعت کرے اور چاہے سرکشی و نافرمانی کرنے لگے۔ یہ ایسا فرق ہے جو کلام

---

[1] یہ بات متعدد آیات قرآنی سے ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا (۱۰: ۱۰) اور وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكُوْا (۶: ۱۳) وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا خود یہ نہیں چاہتا تھا کہ انسان کو بجبر شرک سے روکے اور ایمان پر مجبور کرے۔

الٰہی میں تدبر کرنے والے کو صاف نظر آتا ہے۔ قرآن مجید میں آپ کو انسان کے سوا کسی اور ایسی مخلوق کا نشان نہ ملیگا جس کی طرف طاعت اور عصیان: فرمانبرداری اور نافرمانی، حدود اللہ کی پابندی اور ان حدود سے تجاوز، دونوں کو نسبت دی گئی ہو، اور جس کی طاعت پر جزا اور عصیان پر سزا کے مترتب ہونے کا ذکر کیا گیا ہو۔ وہ انسان ہی ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲: ۲۹) وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ (۷: ۱۰) يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ (۴: ۹) مَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۷: ۲۰) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ... ... وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا۔ (۴: ۲) یہ اور ایسی ہی بے شمار آیات ظاہر کرتی ہیں کہ انسان میں بخلاف دوسری تمام مخلوقات کے ایک ایسی قوت موجود ہے جس سے وہ اطاعت اور سرکشی دونوں پر قدرت رکھتا ہے۔ اور اسی قوت کے صحیح یا غلط استعمال سے فوز یا خسران ثواب یا عقاب، انعام یا غضب کا مستحق ہوتا ہے۔

ہدایت وضلالت | قرآن اس مسئلہ کو اور زیادہ کھول کر بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا نے انسان کی فطرت میں بھلے اور برے دونوں کی تمیز ودیعت فرما دی فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ (۹۱) اس کو نیکی اور بدی دونوں کے راستے بتا دئے وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (۹۰) پھر اس کو اختیار دیدیا کہ جس راہ کو چاہے اختیار کرے۔ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ (۷۶: ۲) اور فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (۱۸: ۴) ایک طرف اس کو بہکانے کے لئے اس کا ازلی دشمن شیطان موجود ہے جو بدی کی راہ کو مزین کرکے اسے دکھاتا اور اس کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ

اَجۡمَعِيۡنَ (۱۵ : ۳) اور دوسری طرف اللہ کی جانب سے رسول بھیجے جاتے ہیں، کتابیں نازل کیجاتی ہیں تاکہ انسان کو نیکی کا سیدھا راستہ بدی کی راہ سے ممتاز کرکے دکھائیں۔ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ (۲۵ : ۳)۔ اس طرح انسان کے اندر اور اس کے گرد و پیش مختلف قوتیں ہیں جن میں سے کوئی اس کو بدی کی طرف کھینچنے والی ہے اور کوئی نیکی کی طرف ان قوتوں کے درمیان موازنہ کرنے کے لئے اس کو سمجھ بوجھ دی گئی ہے۔ اپنی راہ آپ دیکھنے کے لئے آنکھیں دی گئی ہیں، اور اتنی قدرت دی گئی ہے کہ وہ جس راہ کو پسند کرے اس پر چل سکے، اگر وہ بدی کی راہ کو اختیار کرتاہے، تو اللہ اس کی تمام طبعی قوتوں، اور ان خارجی اسباب کو جو اس کے نصیب میں لکھدئے گئے ہیں اس کا تابع فرمان بنادیتا ہے، اور یہ راہ اس کے لئے آسان ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اگر وہ نیکی کا راستہ اختیار کرتاہے تو وہ راہ بھی اس کے لئے آسان کردی جاتی ہے۔ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰى وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰى وَكَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰى (۹۲) جو شخص گمراہی اختیار کرتاہے اس کے ضمیر میں ایک الٰہی قوت پھر بھی موجود رہتی ہے جو اس کو راہ راست کی طرف دعوت دیتی رہتی ہے، مگر جب وہ اپنی کجروی پر اصرار کرتا ہے تو یہ قوت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے، اور ضلالت کی بیماری بڑھتی جاتی ہے۔ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (۲ : ۲) یہاں تک کہ ایک وقت آتاہے۔ جب اس قوت کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور اس شخص کے دل، آنکھوں، اور کانوں پر ایسی مہر لگ جاتی ہے کہ وہ حق بات کو سمجھ نہیں سکتا، حق کی روشنی کا ادراک نہیں کرسکتا، حق کی آواز سن نہیں سکتا، اور ہدایت کے تمام راستے اس کے لئے بند ہوجاتے ہیں، خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ وَعَلٰۤى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ (۲ : ۱)

مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ انسان کا اختیار اور اس کی آزادی غیر محدود ہے۔

اور اس کو کلیۃً وہ اختیارات تفویض کر دئیے گئے ہیں جو قدریہ نے فرض کر لئے ہیں۔ ہرگز نہیں انسان کو جو کچھ اختیار دیا گیا ہے وہ یقیناً ان قوانین کے ماتحت ہے جو اللہ نے تدبیرِ کلی اور تدابیرِ جزئیہ کے لئے مقرر کر رکھے ہیں اور جن کے تحت یہ سارا کارخانۂ قدرت چل رہا ہے۔ کائنات کے نظام میں انسان کی قدرت، اور اس کی روحانی، نفسانی اور جسمانی قوتوں کے لئے جو حدود اللہ نے قائم کر دی ہیں ان سے وہ ایک بال برابر بھی تجاوز کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پس یہ حقیقت اپنی جگہ پر قائم ہے کہ اِنَّا خَلَقْنَا كُلَّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ (۵۴: ۴۹) اور اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (۶۵: ۳) اور وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (۶: ۱۸)

عدل اور جزا و سزا یہیں سے یہ نکتہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ حقیقی عدل کرنے والا بجز خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ وہ حدود جن کے دائرے میں انسان کو اختیار حاصل ہے خدا ہی کی قائم کی ہوئی ہیں اور خدا ہی اس حقیقت کا جاننے والا ہے کہ انسان کے اعمال میں اس کے اپنے اختیار کا حصہ کتنا ہے۔ اس نے جن حدود سے انسان کے اختیار کو محدود کیا ہے ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم کے حدود وہ ہیں جو تمام نوعِ بشری کے لئے من حیث المجموع قائم کئے گئے ہیں۔ اور دوسری قسم کے حدود وہ ہیں جو ہر شخص کے لئے فرداً فرداً مختلف طور پر مقرر ہیں۔ پہلی قسم کے حدود نوعی حیثیت سے تمام اولادِ آدم کے اختیار کو محدود کرتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے حدود ہر شخص کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہیں، اس لئے ان کے اعتبار سے ہر شخص کی زندگی میں اس کے اختیار اور اس کی مجبوری کی مقادیر جدا جدا ہیں۔ اپنے اعمال کے لئے انسان کا ذمہ دار ہونا اور اس ذمہ داری کے لحاظ سے جزا و سزا کا مترتب ہونا اسی مقدار اختیار پر موقوف ہے جس کو ہر شخص نے اپنے افعال میں استعمال کیا ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس کو تولنا جانچنا، اور ایسا ٹھیک ٹھیک حساب لگانا کہ ایک ذرہ بھر بھی کمی وبیشی نہ ہو، دنیا کے کسی جج اور کسی مجسٹریٹ کے بس کا کام نہیں ہے یہ محاسبہ و موازنہ نہ صرف

فاطر السموٰت والارض ہی کرسکتا ہے اور وہی قیامت کے دن اس عدالت کا اجلاس کریگا۔ یہی بات ہے جس کی طرف کلام اللہ میں جگہ جگہ اشارہ کیا گیا ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ	اس روز وزن بالکل ٹھیک ہوگا جن کے اعمال کے پلڑے
مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝	بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے اور جن کے پلڑے
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ	ہلکے ہوں گے وہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے ہماری
خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا	آیات کے ساتھ ظلم کرکے اپنے آپ کو خود نقصان
يَظْلِمُونَ ۔ (۷:۱)	پہنچایا ہے۔
إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا	ان کو ہماری ہی طرف آنا ہے اور ان کا حساب وکتاب
حِسَابَهُمْ ۔ (۸۸)	ہمارے ہی ذمہ ہے۔
وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَ	جو ذرہ برابر نیک عمل کرے گا وہ اس کا نتیجہ دیکھ لیگا
مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (۹۹)	اور جو ذرہ برابر برا عمل کرے گا وہ اس کا نتیجہ دیکھ لیگا

قرآن مجید سے مسئلہ جبر و قدر پر بس اسی حد تک روشنی پڑتی ہے اور اس سے وہ گتھیاں سلجھ جاتی ہیں جو علوم طبیعیہ اور علم الاخلاق کے مباحث میں بیان کی گئی ہیں۔ رہے وہ مابعد الطبیعی مسائل جن میں فلاسفہ اور متکلمین الجھے ہوئے ہیں۔ یعنی یہ اللہ کے علم اور اس کی معلومات، اس کی قدرت اور اس کے مقدورات، اس کے ارادہ اور اس کے مرادات میں کس نوع کا تعلق ہے، اور اس کے علم سابق، ارادۂ ازلی اور قدرت مطلقہ کے ہوتے ہوئے انسان کس طرح با اختیار اور اپنے ارادہ میں آزاد ہو سکتا ہے تو ان مسائل سے قرآن نے کوئی بحث نہیں کی ہے، اس لئے کہ انسان ان کو سمجھ نہیں سکتا۔

نقد و نظر

خطبات از مولنا عبدالصمد صاحب رحمانی مونگیری حجم ۲۶ صفحات قیمت ۳ ر۔ ملنے کا پتہ۔ مکتبہ سیفیہ مونگیر

یہ خطبات آیۂ شریفہ:۔ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۔ وَالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ؛ کی تفسیر ہیں۔ مشہور مناظر مسٹر محمود دہرم پال بی۔ اے نے اپنی ایک تقریر میں بیان کیا تھا کہ "جب کوئی مسلمان زنا میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اسپر اس کی باعصمت اور عفیف بیوی حرام ہوجاتی ہے۔" اور اس قول پر اس آیۂ معظمہ سے استدلال کیا تھا۔ مولنا موصوف نے اسی غلط خیال کی تردید کی ہے، اور حق یہ ہے کہ تحقیق کا حق ادا کردیا ہے۔

رہنمائے قرأت مرتبہ جناب سید سردار علی شاہ صاحب۔ حجم ۱۳ صفحات۔ قیمت ۸ ر ملنے کا پتہ:۔ سید رحمت علی شاہ۔ مسلم جنرل بک ایجنسی۔ لاہور۔

فن قرأت ان فنوں میں سے ہے جس کا جاننا ہر قرآن خوان کیلئے ضروری ہے۔ یہ فن محض کتابی نہیں ہے لیکن جہانتک اصول و قواعد کا تعلق ہے کتابوں سے کچھ نہ کچھ مدد ضرور ملتی ہے اردو میں اسی فن پر چند رسالے شائع ہوچکے ہیں۔ یہ رسالہ جناب مرتب نے اس طریق پر مرتب کیا ہے کہ بغیر استاد کے بھی اس فن کی تحصیل میں مدد دے سکے۔

ہدایتہ الورٰی فی تشریح الربوا از مولنا محمد نقی صاحب۔ حجم ۲۶ صفحات قیمت ا ر ملنے کا پتہ انجمن اصلاح المسلمین مالیگاؤں ضلع ناسک

اس رسالہ میں مولنا ممدوح نے عقلی و نقلی دلائل سے سود کی تمام اقسام کی حرمت پر بحث کی ہے، اور آخر میں دار الحرب و دار الاسلام کی حدود پر کلام کیا ہے کہ جو لوگ سود خواری کے لئے ہندوستان کو دار الحرب سمجھتے ہیں انہیں معلوم ہوجائے کہ دار الحرب و دار الاسلام کی شرعی حیثیت کیا ہے،

قادیانی مذہب | مولفہ الحاج مولوی محمد الیاس برنی صاحب ایم اے ال ال (علیگ) استاذ معاشیات کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔ دکن حجم ۱۶ صفحات بلاقیمت۔

مذہبی مناظرہ کی کتابوں میں عموماً عیب ہوتا ہے کہ لکھنے والے اپنے مذہبی جوش میں مذہب مخالف کے پیشواؤں پر سب وطعن کرنے لگتے ہیں، اور دل آزار زبان استعمال کر کے اس مقصد (احقاق حق اور ہدایت) کو ہاتھ سے کھو دیتے ہیں جس کے لئے دراصل مناظرہ کیا جاتا ہے۔ خصوصیت کیساتھ مناظرہ کا یہ رنگ ان مباحثات میں بہت ہی زیادہ بدنمائی کے ساتھ دیکھا گیا ہے جو سالہا سال سے قادیانی جماعت اور اہل السنت کے درمیان ہوتے رہے ہیں۔ ابتک اس سلسلہ کی کوئی ایسی کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری ہے جس میں متانت سنجیدگی اور معقولیت کے ساتھ احقاق حق کی کوشش کی گئی ہو۔ الحمدللہ کہ جناب برنی صاحب کا یہ رسالہ اس عیب سے بالکل پاک ہے، اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس باب میں یہ پہلی تحریر ہے جس کو موافق اور مخالف سب ٹھنڈے دل سے پڑھکر سکون قلب کے ساتھ رائے قائم کر سکتے ہیں۔ جناب مؤلف نے اس رسالہ میں اپنی طرف سے بہت کم لکھا ہے۔ زیادہ تر مرزا غلام احمد صاحب اور ان کے خلفاء اور متبعین کی تحریریں ایک ترتیب خاص کے ساتھ جمع کر دی ہیں، اور ان پر جو کچھ اظہار رائے کیا ہے وہ مختصر ہے اور تہذیب و متانت کے ساتھ ہے۔ یہ مولف کے حسن نیت کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس رسالہ کو بلاقیمت شائع کیا، اور کسی مالی منفعت کا ذریعہ نہیں بنایا۔

ہدایات حج | از جناب محمد نجدی صاحب۔ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی ضخامت ۴۰ صفحہ۔ غالباً بلاقیمت۔

اس رسالہ میں ۱۳۵۲ھ کے لئے سفر حج کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ اگرچہ ابتدا میں ملک ابن سعود کی تعریف و توصیف کر کے اس کو ایک طرح کی سیاسی دعایت کا رنگ دے دیا گیا ہے جس کی اس قسم کے رسالہ میں ضرورت نہ تھی لیکن آخر میں جو معلومات درج کی گئی ہیں وہ یقیناً حجاج کے لئے مفید ہونگی۔ جو اصحاب اس سال حج کا قصد رکھتے ہوں وہ اس کو مولف سے منگا سکتے ہیں۔

قواعد و نرخ نامہ اشتہار

مقدار	ایک ماہ	۳ ماہ	۶ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	عـہ	صلعـہ	صیعـہ	لـہ
نصف صفحہ	لے	صلعـہ	صلعـہ	صللعـہ
ربع صفحہ	للعہ	عـہ	اعـہ	صلعـہ

۱۔ کوئی خلاف شریعت یا خلاف تہذیب اشتہار شائع نہ کیا جائے گا۔

۲۔ اشتہار کی اشاعت سے پہلے اجرت پیشگی وصول ہونی ضروری ہے۔

۳۔ صرف وہی چربے قبول کئے جائیں گے جو اس رسالہ کی وضع وہیئت کا لحاظ رکھ کر تیار کئے گئے ہوں۔

۴۔ نرخنامہ میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی جائے گی۔

۵۔ ٹائیٹل کے صفحات کی اُجرت عام نرخنامہ کی بہ نسبت ۲۵ فیصدی زیادہ ہوگی۔

Registered No. M. 2950
رجسٹر نمبر آصفیہ (۱۲۰)

قواعد

رسالہ "ترجمان القرآن" بالعموم ہر ہجری مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوا کریگا مہینہ کی ۲۵ تاریخ تک جن حضرات کے پاس پرچہ نہ پہنچے وہ دوبارہ لکھکر منگوا سکتے ہیں ختم ماہ کے بعد دوسرے مہینے کی ابتدا میں جن خریداروں کی شکایات موصول ہوں گی انکو پرچہ قیمتاً دیا جائیگا

رسالہ کی موجودہ قیمت میں کسی قسم کی رعایت ممکن نہیں ہے۔ لہذا کوئی صاحب رعایت کا مطالبہ نہ کریں۔

خریداروں کو دفتر سے مراسلت کرنے میں ہمیشہ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئے لیکن یہ لحاظ رہے کہ رجسٹر نمبر اور چیز ہے اور نمبر خریداری اور چیز

اشاعت کیلئے مضامین اور حل طلب شکوک تمام ایڈیٹر کے نام سے بھیجے جائیں لیکن ایڈیٹر پر لازم نہیں ہے کہ ہر چیز شائع کرے

منیجر "ترجمان القرآن"

خیرت آباد۔ حیدرآباد (دکن)

طابع و ناشر۔
ابوالاعلیٰ مودودی
(مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن)